مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس

من چہ گویم وصف آں عالی جناب
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

ترجمہ: میں اُس عظیم ہستی کی کیا تعریف کروں، وہ پیغمبر تو نہیں تھے لیکن اُن کو ایک کتاب ضرور عطا ہوئی۔

فہرست دفترِ چہارم

جز خشوع و بندگی و اضطرار　　اندریں حضرت ندارد اعتبار
سوائے عاجزی ، غلامی اور بے چارگی کے　　اُس کے دربار میں کسی شئے کا بھی اعتبار نہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

گفت چوں شاہِ کرم میداں رود — عینِ ہر بے آلتی آلت شود

جب شاہِ کرم میدان میں نکلتا ہے — ہر بے سر و سامانی میں سامان پیدا ہو جاتا ہے

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار

زانکہ آلت دعویٰ ست و ہستی ست
کیونکہ سامان تو دعویٰ اور انانیت پیدا کرتا ہے

کار در بے آلتی و پستی ست
عاجزی اور محرومی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

ہست الوہیت ردائے ذوالجلال
اپنے آپ کو بڑا سمجھنا صرف اللہ ہی کے لئے ہے

ہر کہ در پوشد بر او گردد وبال
کوئی دوسرا غرور و فخر کریگا تو اُس کیلئے وبال ہے

تاج از آن اُوست و آن ما کمر
تاج اللہ کی ملکیت ہے اور ہمارے لئے صرف خدمت گزاری ہے

وائے اُو کز حدِ خود دارد گذر
جو حد سے بڑھے اُس کی تباہی ہے

بیشتر اصحابِ جنت اَبلہ اند
اہلِ جنت میں سے بیشتر بھولے بھالے ہیں

تا ز شرِ فیلسوفی می رہند
اِسی لئے فلسفی کے شر سے بچے رہتے ہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

زیرکی ضدِ شکست ست و نیاز
چالاکی، عاجزی کی ضد ہے

زیرکی بگذار و باگولی بساز
ایسی ذہانت چھوڑ اور بھولا پن اختیار کر

ابتدا دفترِ چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاند کا نور اجسام پر پڑتا ہے اور مثنوی کا نور اَرواح پر پڑ رہا ہے۔ اے ضیاء الحق! تیری بلند ہمت نہ معلوم اِس کے مضامین کو کہاں تک لے جائے گی۔ (ضیاء الحق حُسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے وہی خلیفہ ہیں جو مثنوی کے لکھنے کا سبب بنے) تُو اس کو اُس طرف کھینچ رہا ہے جس سے تُو خوب واقف ہے (عالَمِ اَرواح)۔ تُو جدھر چاہتا ہے مثنوی کا رُخ موڑ دیتا ہے۔ بظاہر مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کی اِس کشش کا سبب ہیں لیکن دراصل اس کی یہ کشش من جانب اللہ ہی ہے۔ جو صاحبانِ بصیرت ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ مثنوی کے بیانات کہاں سے آ رہے ہیں۔ تُو جیسا چاہتا ہے خدا بھی ویسا ہی کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کی تمنا پوری کرتا ہے۔ جب کسی کو فنا حاصل ہو جاتی ہے تو باقی باللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور اُس بندے کی مرضیات اللہ ہی کی مرضیات بن جاتی ہیں۔ چونکہ مثنوی حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کر رہی ہے تو گویا اِس کے اوراق اپنے کھلے ہاتھوں سے شُکریہ ادا کر رہے ہیں۔ قرآن میں ہے "اگر تم شکر کرو گے تو ہم زیادہ دیں گے"۔ اور قرآن میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ "سجدہ کر اور قربت حاصل کر لے" ہماری طرف سے یہ جسمانی سجدہ، رُوحانی قرب کا باعث بنتا ہے۔ مثنوی کی نشوونما کا اصل سبب حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا جذب ہے۔ جس طرح حج والوں کے قافلے کا ایک سالار ہوتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ معارفِ الٰہی کے اس کارواں کے سالار ہیں۔ قافلۂ حج، زیارتِ کعبہ کے لئے جاتا ہے لیکن تیرا قافلہ ربِ کعبہ کی زیارت کو جا رہا ہے۔ ضیاء، رَوشنی کو کہتے ہیں اور حُسام، تلوار کو۔ تو تمہاری ذات سورج ہے اور یہ دونوں اُس کی جنتیں ہیں۔ سورج کی تلوار اندھیرے کو کاٹتی ہے، اُسی طرح تُو دلوں کو اپنی ضیاء سے مُنوّر کر رہا ہے اور کفر و شرک کی جڑیں تلوار سے کاٹ رہا ہے۔

تا کہ چرخ و عرش را گریاں کُند	گریہ با صِدق بر جانہا زَنَد
کہ آسمان اور عرش کو بھی رُلا دیتا ہے	خلوص کے ساتھ گریہ رُوح پر ایسا اثر کرتا ہے

جس طرح سورج افاضہ میں بڑھا ہوا ہے اُس طرح تم بھی چونکہ ضیاء ہو لہٰذا تم بھی افاضہ میں بڑھے ہوئے ہو۔ سورج کی روشنی ہر مال کے کھوٹے اور کھرے پن کو ظاہر کر دیتی ہے اِسی لئے بازار دن میں لگتے ہیں۔ اُسی طرح مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ضیاء ہیں، وہ بھی سالکوں کے لئے رحمت ہیں۔ جس طرح سورج کی روشنی تاجروں کے لئے باعثِ رحمت ہے، اُسی طرح راہِ سلوک کے مسافروں کے لئے آپ رحمت ہیں۔ جس طرح دھوکا دینے والے سورج کی روشنی سے نفرت کرتے ہیں اُسی طرح بناوٹی شیخ، مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نفرت کرتے ہیں۔ کھوٹا مال، پرکھنے والے کی جان کا دشمن ہوتا ہے۔ اِسی طرح جو دُنیا کے کتے ہوتے ہیں وہ بزرگوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ ہمیشہ دنیاداروں سے ہوتا ہے جو کہ اُن کے دشمن ہوتے ہیں۔ فرشتے اُن انبیاء علیہم السلام کی سلامتی کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ جو چراغِ ہدایت وہ انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں اُس کو دشمن بجھا نہ سکیں۔

جو اس مثنوی کو افسانہ سمجھے وہ خود افسانہ اور مُہمل ہے۔ ایک چیز دو شخصوں کے اِعتبار سے دو جُداگانہ حکم رکھتی ہے۔ دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پانی تھا اور قبطیوں کے لئے خون تھا۔ اِسی طرح یہ مثنوی بعض لوگوں کے لئے افسانہ ہے اور بعض کے لئے گنجینۂ معرفت۔ مولانا حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا کشف تھا کہ مثنوی کے منکر ایمان سے محروم ہیں۔

اب تیسرے دفتر والے عاشق کا قِصہ سُن۔ یہ عاشق رات کو معشوقہ کے فراق میں گھوم رہا تھا کہ راستے میں اُس نے کوتوال کو دیکھا تو اُس سے ڈر کر وہ ایک باغ میں گھس گیا۔ وہاں دیکھا تو اُس کی معشوقہ موجود تھی، تو وہ اُس کوتوال کو دُعائیں دینے لگا۔ بعض اوقات انسان کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اسی میں اُس کی بہتری ہوتی ہے۔ محبوبہ کا وجود تو درکنار یہ اُس کا سایہ تک نہ دیکھ پا رہا تھا۔ وہ آٹھ سال سے اُس سے نہیں ملا تھا۔ عشق کا یہی معاملہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ پھنساتا ہے اور پھر تڑپاتا ہے۔ اِبتداءً ہونٹوں کو جو چسکا لگا ہے اُس کی وجہ سے عاشق اُمید و بیم میں مبتلا رہتے ہیں اور جوشِ محبت سے تڑپتے ہیں۔ جب وہ عاشق کوتوال کے ڈر سے بھاگ کر باغ میں گھسا تو اُسے محبوب کا دیدار ہو گیا۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُس کی محبوبہ ہاتھ میں چراغ لئے نہر میں اپنی انگوٹھی تلاش کر رہی ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ کوتوال کو بھی دُعائیں دینے لگا۔

پولیس کے آدمیوں میں ظلم و ستم کا مادہ ہوتا ہے۔ اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ جرائم میں مبتلا ہوں تا کہ وہ اُن سے منافع حاصل کریں۔ جبکہ کوتوال دوسرے لوگوں کے لئے تو باعثِ مصیبت تھا لیکن اُس عاشق کے لئے باعثِ راحت بن گیا۔ دُنیا کی کوئی چیز ہمہ وجود بُری نہیں ہوتی بلکہ کسی خاص نسبت سے اُس میں بُرائی ہوتی ہے۔ زہر اور قند بھی مُفید اور مُضر خاص خاص نسبت سے ہیں۔ سانپ کا زہر سانپ کے لئے باعثِ زندگی ہے، انسان کے لئے موت کا سبب

گریۂ بے صِدق بے سوزش بُوَد　　　دیوِ دُوں بر گریہ اَش خنداں شُوَد
بناوٹی گریہ بغیر سوزشِ دل کے ہوتا ہے　　　ایسے رونے کو دیکھ کر شیطان ہنستا ہے

ہے۔ پانی آبی جانور کی زندگی ہے، خاکی کے لئے موت ہے۔ کسی چیز کے نسبت کے اعتبار سے مُفید اور مُضر ہونے کے ہزاروں مدارج ہیں۔ زید کسی کے اعتبار سے شیطان ہے اور کسی کے اعتبار سے سلطان۔ جس کے لئے زید سلطان ہے وہ سلطان کی تعریفیں کرے گا۔ جس کے لئے وہ شیطان ہے وہ اُس کو کافر اور گردن زدنی قرار دے گا۔ اگر تُو زید کو اپنے لئے شکر بنانا چاہتا ہے تو اُس کے عاشقوں کی نظر سے اُسے دیکھ پھر تجھے اُس سے کوئی شکوہ نہیں رہے گا۔

"لیلیٰ رابچشم مجنوں باید دید" (اگر لیلیٰ کا جلوہ دیکھنا ہے تو مجنوں جیسی آنکھ حاصل کرو) محبوب کو اپنی نگاہ سے نہ دیکھ اُس کے عاشقوں کی نگاہ سے دیکھ۔ محبوب کے عاشقوں کی نگاہ سے بھی نہیں بلکہ خود اُس کی اپنی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ جب انسان محبوب کو محبوب کی نگاہ سے دیکھے گا یعنی اللہ کو خود اللہ ہی کی نگاہ سے دیکھے گا تو متخلّق باخلاق ہو جائے گا اور اپنے احساس کو فنا کر دے گا تو اُسے "کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" یعنی "اللہ اُس کا ہو گیا" کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ اُس میں بقاباللہ کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ حدیثِ قُدسی ہے "جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔ ناپسندیدہ چیز جب کسی مرغوب چیز کا ذریعہ بن جاتی ہے تو وہ بھی مرغوب بن جاتی ہے۔ کوتوال معشوق کے وصال کا ذریعہ تھا لہٰذا وہ بھی محبوب ہو گیا۔

واعظ جو وعظ میں ظالموں، مُفسدوں اور بدوں کے لیے دُعائے خیر کرتا

ایک واعظ تاجر تھا، ڈاکوؤں نے اُس کا مال لُوٹا تو اُس نے خدا سے دُعائیں اور گریہ زاری شروع کر دی۔ اُس کو ہاتفِ غیبی نے کہا: مال کے لُٹ جانے پر تُو اِس قدر گریہ زاری کرتا ہے اور اپنی عمر کے برباد یا ضائع ہونے کا کوئی خیال نہیں۔ اِس تنبیہ سے وہ تاجر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چونکہ یہ ڈاکو اُس کے اللہ تک پہنچنے کا سبب بنے تو وہ اُسے محبوب ہو گئے اور وہ اُن کے لئے دُعا گو بن گیا۔ وہ ہمیشہ بُرے انسانوں کے لئے دُعا کرتا اور اچھے انسانوں کے لئے نہ کرتا۔ لوگوں نے اِعتراض کیا کہ بُرے لوگ تو دُعا کے مستحق نہیں ہوتے تُو اُن کے لئے کیوں دُعا کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اِن لوگوں کا مجھ پر بہت اِحسان ہے۔ میں اِن کے مظالم سے پریشان ہو کر راہ یاب ہوا ہوں اور اِن کے مظالم نے مجھے نیکی پر لگا دیا ہے۔ جب کبھی میں دُنیا میں کسی کام پر اِن کے ساتھ لگتا تو یہ اِس قدر ظلم کرتے تھے کہ میں خدا کی طرف رُجوع کرتا تھا تو اِن کا ظلم مجھے دُنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف لگا دیتا تھا۔ جب انسان کسی رنج و مصیبت کا اللہ سے شکوہ کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اِس مصیبت کا شکوہ بیجا ہے۔ یہ مصیبت تو تجھے میری طرف متوجہ کر رہی ہے۔ شکوہ تو دراصل میری اُس نعمت کا ہونا چاہیے جو تجھ کو مجھ سے بے نیاز بناتی

راہزن ہرگز گدائے را نزد
راہزن کبھی کسی فقیر کو نہیں مارتا

گرگ گرگ مُردہ را ہرگز گزد
بھیڑیے نے کبھی کسی مُردہ بھیڑیے کو نہیں پھاڑا

تھی۔ چونکہ دشمن اللہ کی طرف رُجوع کا سبب بنتا ہے تو وہ دراصل تیرے لئے نافع اور کیمیا ہے۔ انسان کے دنیاوی دوست درحقیقت دشمن ہیں کیونکہ وہ تجھے خدا سے غافل بناتے ہیں۔

خارپشت (جسے اردو میں سیہہ کہتے ہیں) پر اگر لاٹھی ماری جائے تو وہ بدن کو مضبوط اور موٹا کر لیتا ہے۔ اسی طرح مومن کی رُوح مصائب جھیل کر زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی رُوح کو زیادہ مضبوط بنانا ہوتا ہے اسی لئے اُن کو زیادہ مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ انسانی بدن کو مضبوط بنانے کے لئے اور اُس کی اصلاح کرنے کے لئے تیز مجاہدے اور عبادات کی ضرورت ہوتی ہے اور اِن عبادات کی مالش انہیں پاک وصاف کر دیتی ہے۔ اگر انسان اپنے اِختیار سے مجاہدے نہیں کر سکتا تو اُسے آسمانی مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔ وہ مصائب اُس کے لئے مجاہدوں کا قائم مقام بن جائیں گے۔ انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی طرف سے اُس کا اِبتلاء اُس کی تطہیر کی تدبیر ہے۔ جب مصائب سے انسان اپنی باطنی صفائی محسوس کرتا ہے تو وہ مصیبت اُس کے لئے شیریں بن جاتی ہے۔ یہی کڑوی دوا کا حال ہوتا ہے۔ پاکیزہ انسان اپنی تخریب میں اپنی تعمیر سمجھنے لگ جاتا ہے اور ہار کو اپنے لئے جیت تصور کرتا ہے اور دوستی میں قتل ہونے تک کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ حکمتِ خداوندی ہے کہ ظالموں کو اُن کے ظلم کی پاداش میں عذاب کا مُستحق قرار دیا جاتا ہے اور اُن کے مظالم کو اللہ کے نیک بندوں کے لئے درجات کی ترقی کا سبب بنا دیتی ہے۔ ایمان کا تقاضا خلقِ خدا پر رحم ہے جو پولیس کے سپاہی میں نہیں رہتا اور اُس میں خلق اللہ سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے جو اُس کے لئے گمراہی کی جڑ ہوتا ہے۔

ایک شخص کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنا کہ وجود میں سب سے سخت کیا چیز ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب

ایک عقل مند نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ وجود میں سب سے زیادہ سخت شے کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے جان! اللہ کا غصہ سب سے سخت ہے کہ اُس سے دوزخ بھی لرزتی ہے۔ اُس نے پوچھا کہ بتایئے! خدا کے غصے سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ اپنے غصے کو ترک کر دینا۔ قرآن میں مومنوں کی صفت میں فرمایا گیا ہے کہ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ''جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں''۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا'' انتظام قائم کرنے کے لئے سپاہیوں کا وجود ضروری ہے لیکن یہی بات اُن کے لئے گمراہی کا سبب ہے کہ وہ اپنے وجود کو ضروری سمجھ کر ظلم پر جرأت کرتے ہیں لیکن اُن کی یہ ضرورت اُن کے لئے تعریف کا سبب نہیں بن سکتی۔ بہت سی گندی چیزوں کی بھی دُنیا کو

خضر کشتی را برائے آں شکست　　تا تواند کشتی از فُجّار رست

حضرت خضرؑ نے کشتی اس لیے توڑی　　تاکہ کشتی ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ رہے

ضرورت ہے لیکن اِس ضرورت کی وجہ سے اُن کو پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اب ہم اُس عاشق کے قصے کی طرف چلتے ہیں۔

عاشق کا خیانت کرنے کا اِرادہ کرنا اور معشوق کا چیخ پڑنا

چونکہ اُس سادہ لوح انسان نے اپنی محبوبہ کو اکیلا پایا تو اُس سے بغل گیر ہونے اور بوسہ لینے کا ارادہ کیا۔ معشوقہ نے اُسے ڈانٹ دیا۔ وہ بولا: تنہائی ہے اور میں وَصل کا پیاسا ہوں' اب صبر کی طاقت کہاں ہے۔ معشوقہ نے جواب دیا: جب تُو ہوا کو چلتا دیکھ رہا ہے تو سمجھ لے کہ ہوا کو چلانے والا موجود ہے۔ قرآن میں ہے "وہی قادرِ مُطلق ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بارش کی آمد کی خوشخبری دے دیں" انسانوں کے پاس جو ہوا کا کچھ حصہ ہے وہ بغیر چلانے والے اور پنکھے کی حرکت کے حرکت نہیں کرتا۔ اِسی طرح کُل ہوا کو سمجھو' وہ قدرت کے پنکھے کے بغیر کب حرکت کرے گی۔ ہمارے سانس کی ہوا کو بھی رُوح اور جسم مل کر حرکت میں لاتے ہیں۔ رُوح نہ ہو تو ہوا جسم میں داخل نہیں ہوگی۔ یہی جسم اور رُوح' سانس کی ہوا میں اچھائی اور بُرائی کا تصرّف کرتے ہیں۔ کبھی اُسے گالی بنا دیتے ہیں' کبھی تعریف کے الفاظ بنا دیتے ہیں۔

عالم کی ہوا میں بھی اللہ کے تصرّفات ہیں۔ کبھی اُسے بادِ بہاری بنا دیتا ہے کبھی بادِ سموم۔ قومِ عاد کے لئے وہ آندھی بنی اور اُس نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے لئے وہ خوشگوار بن گئی۔ انسان کی سانس کی ہوا میں بھی وہی مؤثر ہے کہ کسی کے لئے اُس کو شہد بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے زہر۔ اِس طرح عام ہوا کو سمجھو کہ اُسے کسی کے لئے انعام بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے قہر۔ قدرت کا پنکھا جو اُس ہوا کو حرکت دیتا ہے' اُس میں بھی قوموں کا اِبتلاء اور اِمتحان ہے۔ جب سانس کی ہوا میں راحت رسانی اور ایذا رسانی ہے تو لامحالہ کُل ہوا میں بھی یہ تاثیر ہوگی اور اُس کی یہ تاثیریں اللہ کے پنکھے کی پیدا کردہ ہیں۔ کھلیان میں بھوسے سے دانے الگ کرنے کے لئے تُو دیکھتا ہے کہ کاشتکار کس طرح اللہ کی خوشامد کرتے ہیں۔ ولادت کے وقت اللہ رحمِ مادر کو ہوا سے پھیلا دیتا ہے اور تب ولادت ہو جاتی ہے۔

جب یہ تصور پکا ہو جاتا ہے کہ ہوا کو چلانے والا خدا ہے تو اُس کے سامنے گریہ وزاری کی جاتی ہے ورنہ محض ہوا کے سامنے کون گریہ وزاری کرتا ہے۔ کشتی والے بھی بادِ موافق کے لئے اللہ سے دُعا مانگتے ہیں۔ دانتوں میں درد کے وقت لوگ بزرگوں سے دَم کرواتے ہیں۔ اِن تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ سب لوگ ہوا کو چلانے والا خدا کو مانتے ہیں اور سب عقل مندوں کو معلوم ہے کہ حرکت کرنے والے کے لئے کوئی ذات حرکت میں لانے والی بھی ضرور ہے۔ اگر تُو

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
چونکہ ٹوٹے ہوئے میں ہی رہائی ہے اسلئے ٹوٹ جا

امن در فقر ست اندر فقر رو
امن صرف فقیری میں ہے سو فقیر بن جا

حرکت دینے والے کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کو حرکت دینے سے اُس کے موجود ہونے کو ہی سمجھ لے۔ انسان کے جسم کو رُوح حرکت دیتی ہے لیکن انسان اُس رُوح کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اُس عاشق نے کہا کہ اگر ادب کے سلسلے میں مجھ سے حماقت ہوئی ہے تو تُو اُس سے درگزر فرما اور میری وفاداری اور جستجو کی قدر کر کے مجھے مقرب بنا لے۔ محبوبہ نے کہا کہ تیرے ادب کی حالت تو یہ تھی جو دیکھ لی گئی۔ اب رہا تیرا وفا اور جستجو کا دعویٰ تو اُس کو بھی اِس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اِس پیالے سے جو کچھ ٹپکا ہے باقی بھی وہی کچھ ہی ہوگا۔

صُوفی کا قصہ جس نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھا

جس طرح وہ عاشق ڈھٹائی کا ثبوت دے رہا تھا اُسی طرح صوفی کی بیوی کی حالت تھی یعنی گھر کا ایک دروازہ تھا' یہ ممکن نہ تھا کہ وہ موچی کو کسی دوسرے دروازے میں سے نکالتی اور صوفی کا اُس وقت گھر میں آنے کا دستور نہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر بے وقت گھر آیا کیونکہ اُسے اپنی بیوی کی طرف سے بدچلنی کا اندیشہ تھا۔ بیوی کو اطمینان تھا کہ صوفی شام ہی کو دکان سے لوٹے گا۔ حضرتِ حق انسان کی ہر طرح پردہ پوشی کرتا ہے لیکن کبھی کبھی اُسے رُسوا بھی کر دیتا ہے۔ اُس کی ستاری اِس لئے ہوتی ہے کہ شائد بندہ شرما کر خود ہی بُرائی کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ فضل کے اِظہار کے لئے پردہ پوشی کرتا ہے اور پھر اظہارِ عدل کے لئے گرفت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ اپنی دونوں صفتوں کے اِظہار کے لئے ہے۔ اللہ کا فضل انسان کو خوش خبری دینے والا ہے اور عدل مجرم کو خوف دلانے والا۔ صوفی کی بیوی پہلے بھی گناہ کر چکی تھی اور اللہ کی ستاری نے اُس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن وہ یہ نہ سمجھی کہ غلطی ہر بار معاف نہیں کی جاتی۔ اُس بیوی کو قضاءِ خداوندی نے اِس طرح لاچار کر دیا ہے جس طرح اچانک موت مُنافق کو کرتی ہے اور اُس کو توبہ کا موقع بھی نہیں دیتی۔

عورت اور اُس کا یار مصیبت میں مبتلا ہونے کے ڈر سے خشک ہو گئے۔ صوفی نے دل میں کہا کہ میں تم دونوں سے بدلہ لوں گا لیکن صبر کے ساتھ۔ تمہارے اِس فعل کو اَن دیکھا بناؤں گا تا کہ محلے میں شور و شر نہ ہو۔ عورت اور موچی کو چھپنے کی گھر میں کوئی جگہ نہ تھی۔ قرآن پاک میں ہے "اے پیغمبر! تم سے یہ پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا پروردگار اُن کو اُڑا دے گا۔ زمین ہموار میدان کر دے گا جس میں تُو نہ تو موڑ دیکھے اور نہ اونچ نیچ (کہ چھپو)"۔ بیوی نے موچی کو چادر اوڑھائی تا کہ صوفی اُسے مرد کی بجائے عورت سمجھے اور دروازہ کھول کر اُسے نکال دیا۔ چادر میں وہ مرد نہ چُھپ سکا اور اس طرح اُس کا مرد ہونا ظاہر تھا۔ چونکہ صوفی نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس واقعہ کو اَن

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
چونکہ ٹوٹے ہوئے میں ہی رہائی ہے اسلئے ٹوٹ جا

امن در فقر ست اندر فقر رو
امن صرف فقیری میں ہے سو فقیر بن جا

دیکھا بنا دے گا تو تعجب سے بیوی سے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی؟ اُس نے جواب دیا: ایک بڑے گھرانے کی باعزت خاتون تھی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا تھا تا کہ اچانک کوئی گھر میں نہ آ جائے اور اُس کی بے پردگی اور بے عزتی نہ ہو۔ صوفی نے پوچھا کہ اگر وہ ایسی معزز عورت تھی تو کس کام سے آئی تھی؟ بتا؟ تا کہ میں اُس کا کام کر دوں۔ بیوی نے کہا کہ وہ رشتہ لے کر آئی تھی اور ہماری لڑکی کو دیکھنا چاہتی تھی' چونکہ لڑکی مدرسے گئی ہوئی تھی وہ اُسے نہ دیکھ سکی تو کہنے لگی کہ خواہ بچی کی صورت کیسی ہی ہو میں تو اُسے اپنی دلہن بناؤں گی۔ صوفی نے کہا: لڑکی تو بہت غریب گھرانے کی اور لڑکا امیر گھرانے کا' یہ بے جوڑ بات ہے۔ اگر میاں بیوی یکساں ماحول کے نہ ہوں تو اختلاف رہتا ہے۔ ایسا پیوند عقل مندوں کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔

بیوی کا کہنا کہ وہ جہیز کی فکر میں نہیں ہے، پردہ پوش ہے اور صُوفی کا جواب

عورت نے کہا کہ وہ لوگ جہیز کے طالب نہیں ہیں وہ تو پردہ پوشی اور نیکی کے طلبگار ہیں' کہتے ہیں کہ ہم تو دولت سے عاجز آ گئے ہیں۔ وہ عوام کی طرح مال کے لالچی اور حریص نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم تو ایسی لڑکی چاہتے ہیں' جو پردہ نشین ہو اور نیک ہو کیونکہ دونوں جہانوں میں ان ہی چیزوں سے بھلائی ہوتی ہے۔ صوفی نے کہا کہ اُن کو بتا دینا تھا ہم تو تنگ دست ہیں تا کہ بات چھپی نہ رہے۔ بیوی نے صوفی سے کہا کہ میں اپنی غُربت خوب بیان کر چکی ہوں لیکن وہ اپنی بات پر جمی ہوئی ہے' وہ ہماری غُربت سے بالکل پریشان نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہم مال کی وجہ سے یہ رشتہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ تم لوگوں کی سچائی اور شرافت کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

صوفی نے اب تک بیوی سے ایسے باتیں کیں جس سے بیوی یہ نہ سمجھے کہ اُسے اس کی خیانت کی خبر ہے۔ اب اُس نے اپنی گفتگو میں ایسے طنزیہ فقرے استعمال کئے جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ بیوی کی بدچلنی سے واقف ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اُس عورت نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ ہمارا گھر ایسا مختصر ہے کہ اِس میں سوئی بھی نہیں چُھپائی جا سکتی۔ اب رہی پاکی اور نیکی کی بات تو اگر اُس نے نصیحت حاصل کرنی ہے تو وہ ہم سے بھی زیادہ جانتی ہے۔ اُس کو ہمارے گھر کے پردے کا حال تو بہت اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے۔ لڑکی کی پردہ پوشی کو باپ کیا بیان کرے اِس سے وہ خود ہی واقف ہو چکی ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح اُس پر کھل گئی ہے۔

باغ والی معشوقہ نے عاشق کو یہ قصہ سُنا کر کہا یہ قصہ میں نے تُجھے اِس لئے سُنایا ہے کہ جب تیری بے ادبی کھل گئی

شکرِ نعمت چوں کُنی چوں شکرِ تو
نعمتِ تازہ بود زِ احسانِ اُو

تُو اپنے رب کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے
بلکہ تیرا یہ شکر ادا کرنا بھی اُس کی عطا کردہ نعمت ہے

ہے تو وفاداری کے وعدے نہ کر۔ تیری حالت اُس صوفی کی بیوی کی سی ہے۔ تُو بھی اب اُس کی طرح مکر و دغا کا جال بچھا رہا ہے اور ہر عیب سے اپنے آپ کو بری ظاہر کر رہا ہے۔ تُو لوگوں سے تو شرماتا ہے لیکن خدا سے نہیں شرماتا۔ چونکہ عاشق نے معشوقہ کو تنہا قرار دیا اور اُس کو یہ محسوس نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ علیم ہے اور اُس کے احاطہ علمی سے کوئی واقعہ باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ بصیر ہے اور اُس کی بصارت سے کوئی چیز نہیں چُھپ سکتی ہے۔ اسماءِ صفاتی جن صفات سے بنے ہیں وہ صفت حضرتِ حق تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اللہ کا نام سمیع ہے وہ سب کچھ سنتا ہے تو اِس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی زبان سے کوئی بُری بات نہ نکالے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم اِسی لئے فرمایا ہے تاکہ ڈرتے ہوئے تُو کوئی بُری بات نہ سوچے۔

اللہ کے تمام اَسماء اُس کی قدیم صفات سے بنے ہیں جن میں اُن صفات کے معنیٰ موجود ہیں۔ ایسے نہیں جیسے کسی حبشی کا نام کافور رکھ دیا جائے حالانکہ نہ اُس میں کافور جیسی سفیدی ہو اور نہ خوشبو۔ اللہ کا نام اگر سمیع ہے تو مطلب ہے کہ اُس میں صفتِ سمع موجود ہے۔ وہ ذات اپنی تمام صفات سے خود متّصف ہے اور وہ تمام کائنات کی علّت ہے اور اُس کی صفات کا تعلق بھی تمام کائنات سے ہے۔ اگر اللہ کو اُس صفت سے متّصف نہ مانا جائے جس سے اسم وصفی بنا ہے تو یہ تمسخر ہوگا۔ بہرے کو سمیع کہنا اور اندھے کو ضیاء کہنا ایک مذاق ہوگا۔ باپ کے حاجی یا نمازی ہونے کی وجہ سے بچے کا نام حاجی یا نمازی محض پہچان کے لئے رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہی الفاظ اُس بچّے کی تعریف میں بولے جائیں جس میں وہ صفت نہیں ہے تو یہ ایک مذاق ہوگا۔

معشوقہ نے عاشق سے کہا کہ میں ملاقات سے پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تو پکا شقی ہے۔ کسی چیز کا مُشاہدہ ہی علم کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اُس چیز کے آثار سے بھی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ آنکھیں دُکھنے میں جب سُرخ ہو جاتی ہیں اگرچہ سُرخی کو انسان نہیں دیکھتا ہے لیکن درد سے سمجھ جاتا ہے کہ آنکھیں سُرخ ہیں۔ تُو نے مجھے بے رکھوالے کا بکری کا بچّہ سمجھا اور بغیر نگہبان کے جانا۔ میرا محافظ وہ علیم و خبیر ہے اور وہ اُس ہوا کو بھی جانتا ہے جو میرے اُوپر سے گزرتی ہے۔ تیرا نفس شہوت پرست ہے جس میں رُوح کا کوئی نور نہیں ہوتا اور وہ اللہ کے معاملے میں اندھا اور بہرا ہوتا ہے۔ تُو آٹھ سال سے میرے فراق میں ہے اور چونکہ میں سمجھتی تھی کہ تُو جہل اور نادانی سے پُر ہے اِس لئے میں نے تیری کوئی پرواہ نہیں کی۔ جو شخص خود تباہی کی بھٹی میں گرا ہو اُس کے اَحوال معلوم کرنا بے وقوفی ہے۔

حمام کا ملازم پانی گرم کرنے والی بھٹی میں گوبر اور کوڑا کرکٹ ڈالتا ہے اور ہمیشہ گندہ رہتا ہے حالانکہ وہاں آنے

عجز تو در شکر شکر آمد تمام
شکر میں تیری عاجزی پُورا شکر ہے

فہم کُن دریاب قد تمّ الکلام
اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے "بات ختم ہوئی"

والے نہا کر اپنا میل کچیل صاف کر کے نکلتے ہیں۔ اِس دُنیا کا مال بھٹی کے ایندھن کی طرح، دُنیا دار بھٹی کے ملازم کی طرح اور مُتقی حمام میں نہانے والوں کی طرح ہیں۔ مُتقی اِس دُنیا کے حمام سے نہا کر پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ دُنیا داروں میں دولت کی حرص نہ ہوتی تو یہ بھٹی گرم نہ ہوتی۔

ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بھٹی کی طرف رُخ نہ کرے، حمام میں داخل ہو۔ دنیاداروں نے اہلِ تقویٰ کو دُنیا کے کاموں سے فارغ کر دیا ہے ورنہ اُن کو خود مصروف ہونا پڑتا تو گویا دنیادار مُتقیوں کے خدمتگار اور خادم ہیں۔ تقویٰ کے آثار انسان کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ دنیاداروں کے اَحوال اُن کی علامتوں سے پہچان لئے جاتے ہیں۔ اگر تم میں یہ اِستعداد نہیں ہے کہ دنیاداروں کے چہروں سے اُن کے اَحوال پڑھ لو تو اُن کی عادتوں سے اُن کے اَحوال سمجھ لو۔ اندھا چونکہ دیکھ نہیں سکتا وہ خوشبو سے چیز کی حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ اگر تم اُن کی عادتوں سے اُن کے اَحوال نہیں سمجھ سکتے تو اُن کی گفتگو سے سمجھ لو۔ دنیادار کہے گا کہ آج میں نے بیس ٹوکرے گوبر کمایا۔ حرص سے بھی ایسے ہی شعلے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ گوبر کے اُپلوں سے۔ عقل مند گوبر اور سونے کو برابر سمجھتا ہے کیونکہ وہ بھی آتشِ حرص کو اسی طرح فروغ دیتا ہے جس طرح گوبر آگ کو اور اُس کا آتشِ حرص کو فروغ دینا، دنیاداروں کی کشش کا سبب ہے۔ جو دنیادار یہ کہہ رہا ہے کہ اُس نے مال جمع کیا ہے تو اُس نے دراصل آتشِ حرص کے لیے گوبر جمع کیا ہے۔ گوبر جمع کرنا اگرچہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے لیکن بھٹی والوں میں یہ فخر ہی کی بات ہے۔ وہ فخر یہ ایک دوسرے کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ تُو نے چھ ٹوکرے جمع کیا ہے تو میں نے بیس ٹوکرے جمع کئے ہیں۔ یہی دنیاداروں کی حالت ہے۔

کھال رنگنے والا جو عطر کی خوشبو سُونگھ کر بے ہوش ہو گیا

جس شخص کی نشوونما بھٹی کے ماحول میں ہوئی ہو اُس کے لئے گوبر کی بدبو خوش کُن ہوتی ہے۔ اگر تم اُسے مُشک سنگھاؤ گے تو اِس سے اُسے تکلیف پہنچے گی۔ اگر تم بھی اُس کے بھٹی کے کاروبار میں شریک ہو جاؤ گے تو کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکو گے۔ دُنیا داروں کی صحبت میں تمہاری بھی وہی حالت ہو جائے گی جو اُن دنیاداروں کی ہے۔

ایک چمڑہ رنگنے والا عطر فروشوں کے بازار میں گیا۔ اُسے وہاں عطر کی خوشبو لگی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اُن لوگوں نے ہزار کوشش کی لیکن وہ ہوش میں نہ آیا۔ اُنھوں نے اُس کے رشتہ داروں کو خبر کی کہ وہ بے ہوش ہوا پڑا ہے اور کسی ذریعے سے بھی ہوش میں نہیں آیا۔ اُس کا ایک بھائی پہنچا۔ وہ ایک سمجھدار آدمی تھا۔ وہ بولا: میں اس کا

ہست جنت راز رحمت ہشت در
اللہ کی رحمت سے جنت کے آٹھ دروازے ہیں

یک درِ توبہ است زاں ہشت اے پسر
اُن میں سے ایک توبہ کا دروازہ ہے

مرض جانتا ہوں۔ مرض کی وجہ معلوم ہو جائے تو علاج میں آسانی ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کا مرض پہچان گیا۔ جالینوس نے کہا ہے کہ علاج کے لئے جس چیز کی مریض کو عادت ہو اُسے دے دو تو افاقہ ہو جائے گا۔ اُس کے بھائی نے کہا کہ میں اِس کی بیماری سمجھ گیا ہوں۔ میں اسے ہوش میں لے آؤں گا۔

قرآن میں ہے "بُری چیزیں بُروں کے لئے ہیں اور اچھی چیزیں اچھوں کے لئے ہیں" خبیثوں کو انبیاء علیہم السلام کی عُمدہ نصیحتیں اچھی نہیں لگتی تھیں کیونکہ وحی کا عطر اُن کے دماغ کے موافق نہیں تھا۔ کفار نے انبیاء علیہم السلام سے کہا کہ ہماری پرورش کھیل کود میں ہوئی ہے، ہمارا مزاج نصیحت سے میل نہیں کھاتا۔ اُن کفار پر افسوس ہے کہ یہ اپنے حرص میں اور اِضافہ کرتے ہیں۔

اُن کفار کو چھوڑو، جو بازار میں بے ہوش پڑا ہے اُس کی خبر لو۔ اُس چمڑہ رنگنے والے کے بھائی نے وہاں سے لوگوں کو ہٹا دیا تا کہ کوئی اُس کے علاج سے واقف نہ ہو سکے۔ اُس نے اپنا سر اُس کے کان کی طرف کیا کہ لوگ سمجھیں کہ اُس کے کان میں کچھ پڑھ رہا ہے اور چپکے سے اُس کی ناک پر کتے کا پاخانہ مل دیا۔ جب اُس کے دماغ نے بدبو سونگھی تو اُسے ہوش آنا شروع ہو گیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ عجب منتر پڑھا ہے کہ فوراً ہوش آنا شروع ہو گیا ہے۔

بدکاروں کو بزرگوں کے قصّے سناؤ تو اُن کو مزا نہیں آتا۔ ہاں زنا اور عشق و محبت کی باتیں اُن کو خوش کرتی ہیں۔ بھلی باتیں جس کے مزاج کے موافق نہ ہوں تو یقیناً اُس نے بُری باتوں کی عادت ڈال رکھی ہے۔ قرآن میں ہے "مُشرک نجس ہے"۔ چونکہ اُن کی نشو و نما گندے ماحول میں ہوئی ہے اِس لئے قرآن نے انہیں نجس کہا۔ حدیث شریف میں ہے "اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا۔ پھر اُن پر اپنا نور چھڑکا تو جس پر وہ نور پڑا اُس نے ہدایت پائی اور جس پر نہ پڑا گمراہ ہو گیا"۔ گندے ماحول میں کسی بھلے کا پیدا ہونا ایک تعجب خیز بات ہے لیکن گندے ماحول میں پیدا شُدہ نیک انسان راسخ العقیدہ ہوتا ہے۔ معشوقہ نے عاشق سے کہا کہ تُو بھی اِس چمڑہ رنگنے والے کی طرح ہے، اِسی لئے گندے اخلاق کا عادی ہے۔ فراق کی گرمی سے تُو زرد پتہ بن گیا لیکن پختہ پھل نہ بنا۔ تمہاری مثال تو یہ ہے کہ دھوئیں سے دیگ تو کالی پڑ گئی لیکن گوشت کچا رہا۔

مکّاری اور تلبیس سے عاشق کا عذر خواہی کرنا اور معشوقہ کا سمجھ جانا

اب عاشق نے مکّاری سے عذر خواہی کی اور اپنے بُرے فعل کی غلط توجیہہ شروع کر دی۔ کہنے لگا کہ میں نے تو بوسہ لینے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ تُجھے آزماؤں کہ تُو بُرائی پر رضامند ہوتی

آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز
وہ دروازے کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہو جاتے ہیں

واں درِ توبہ نباشد جُز کہ باز
لیکن توبہ والا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے

ہے یا پاک دامن ہے۔ اگرچہ میں تجھے پہلے ہی سے نیک سمجھتا تھا لیکن مزید اطمینان کے لئے ایسا کیا تھا۔ تمہاری نیکی روز روشن کی طرح عیاں ہے‘ آزمانے سے اِس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دشمنوں نے انبیاء ﷺ کو آزمایا اور اُن سے معجزے طلب کئے تو اُن کی نبوت اور پختہ ہوگئی۔ تجھ میں اور مجھ میں اتحاد ہے۔ تیرا امتحان دراصل میرا امتحان ہے‘ اس میں تیرے بگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے دراصل اپنی آنکھ کو آزمایا ہے‘ اس لئے تیری ناراضگی بے موقع ہے۔ اس عالمِ خواب میں تُو ایک خزانہ ہے اور اگر خزانے کی جستجو کی جائے تو اِس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ میری یہ بیہودگی اس لئے تھی کہ امتحان کے بعد دشمنوں کے سامنے تیری نیکی کا اظہار کرسکوں۔ اگر میں نے تمہاری آبرو پر ہاتھ ڈالا ہے تو تلوار حاضر ہے‘ مجھے قتل کردے‘ تلوار سے قتل کردو جدائی کے ذریعے نہیں اور اپنے ہاتھ سے قتل کرنا کسی دوسرے کے ہاتھ سے قتل نہ کروانا کیونکہ میں تمہارے ہاتھ کا غلام ہوں‘ دوسرے کے ہاتھ کا نہیں۔ خدا کے لئے جدائی کی بات نہ کر اور جو چاہے کر۔ یہ میری غلطی بھی ہے تو اب اِسے معاف کردے۔ میں اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرتا ہوں مجھے معاف کر دے۔

معشوق کا عاشق کے عذر کو رد کرنا

معشوق نے کہا: تُو جھوٹ بولتا ہے۔ عقل مندوں کے سامنے عقلی دلائل پیش کرنا بیوقوفی ہوتی ہے۔ تیرے ہر مکر سے میں واقف ہوں۔ اگر ہم بندہ نوازی کی وجہ سے چشم پوشی کر رہے ہیں تو تجھے بے حیائی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جیسے ہی غلطی کا اِرتکاب ہوا تو حیلہ بہانہ کرنے کی بجائے فوراً معافی کے لئے کھڑے ہوگئے اور خاکستر پر بیٹھ گئے۔ بہانہ بازی میں ایک بہانے سے دوسرے بہانے کی طرف منتقل نہ ہوئے۔ جو شخص نگاہ انجام پر رکھ کر معافی کا طلبگار ہو وہ اچھا ہے۔ جس کو چشمِ بصیرت حاصل نہیں وہ توبہ بھی کرتا ہے تو اس پر قائم نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو چشمِ بصیرت حاصل تھی لیکن قضائے خداوندی کے سامنے مجبور تھے اور غلطی کر بیٹھے۔ چشمِ بصیرت والا بہت کم گمراہ ہوتا ہے۔ اگر چشمِ بصیرت نہیں ہے تو اُس کا یہ اندھا پن ہر وقت اُس کو مصیبت میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ پھر اُس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اس مصیبت کا سبب بیرونی ہے کہ اندرونی۔ اندھے پر مُشک نچھاور کرو گے تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ میرے بدن کی خوشبو ہے کسی کا کوئی احسان نہیں ہے۔ خدا کسی کو آنکھیں عطا فرمائے تو وہ اُس کی تربیت کرنے میں سینکڑوں ماں باپ سے بھی بہتر ہے۔ دل کی آنکھیں جسمانی آنکھوں سے بدرجہ افضل ہوتی ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افسوس! اسرار کے بیان کے لئے بہت موانع پیش آگئے ہیں۔ اسرار و حکم اگر

چونکہ غم بینی تو استغفار کُن	غم بامرِ خالق آمد کار کُن
جب تُو غم دیکھے، تو توبہ کر	غم خدا کے حکم ہی سے آتا ہے‘ زاری کر

پورے طور پر بیان نہ ہو سکیں تو بھی فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ اسرار موتی کی طرح ہوتے ہیں اگر ٹوٹ بھی جائیں تو پس کر اُن کا سُرمہ آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے۔ مجھے ٹوٹے ہوئے اسرار و حکم کو جوڑ کر کہنا ہی ہے اللہ اُن کو صحیح حالت میں کر دے گا۔ گیہوں پس کر ہی روٹی پکانے کے لائق بنتی ہے۔ عاشق کا فرض ہے کہ وہ اپنی خطا پر ندامت کا اظہار کرے اور باتیں نہ بنائے۔ صحیح اولاد کا فرض ہے کہ وہ باپ کی بہترین سیرت اختیار کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا پر اِنَّا ظَلَمْنَا "بے شک ہم نے ظلم کیا" کہنا شروع کر دیا تھا اور اُن کے لئے یہی مناسب تھا۔ شیطان نے اپنی غلطی پر اِصرار شروع کر دیا اور کہا کہ "تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اِسے مٹی سے، میں افضل ہوں" ابو جہل غلط تھا اُس نے مُعجزہ دیکھ کر بھی شک کا اظہار کر دیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معجزہ نہیں مانگا اور انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ سچ کے علاوہ کچھ نہیں بولتا۔ امتحان لینا عاشقوں کا کام نہیں ہوتا۔

ایک یہودی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قلعہ کی دِیوار سے خود کو گرانے کا کہنا اور اُن کا جواب

ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتا ہے تو کسی بلند قلعہ یا مکان سے اپنے آپ کو گرا کر دیکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ میرا محافظ ہے۔ یہودی نے کہا: تم کسی بلند مقام سے گر کر دکھاؤ تاکہ مجھے بھی یقین ہو جائے کہ تمہیں اپنے اعتقاد پر بھروسہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو آزمانا اُس کے حضور میں گستاخی ہے جو تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ آزمانے کا حق صرف اللہ کو ہے تاکہ بندوں کو یہ دکھا دے کہ تمہارا عقیدہ دراصل کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب غلطی کی تو یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تو اے خدا! تیرے حِلم کو آزمانے کے لئے غلطی کی ہے۔ ایک عاجز بندہ اللہ کا کیا امتحان لے سکتا ہے۔ انسان اپنا امتحان لے گا تو اُسے دوسروں کا امتحان لینے کی فرصت نہ ملے گی۔ جب تُو جان لے گا کہ تُو جنت کے قابل ہے تو سمجھ جائے گا کہ تُو جنتی ہے۔ اللہ امتحان کے بعد انعام کا مستحق قرار دیتا ہے اور بغیر امتحان لئے کسی باعزت کو ذلیل نہیں کرتا۔ موتی کوئی بھی عقلمند پاخانہ میں نہیں پھینکتا تو اللہ نیکوں کو کیسے دوزخ میں بھیج دے گا۔ جب بڑوں کا امتحان لینا بُری بات ہے تو مرید کا شیخ کا امتحان کرنا بھی گدھا پن ہے۔ شیخ کا امتحان لے گا تو انسان خود ذلیل ہو جائے گا۔ مرید شیخ کے سامنے ایک ذرہ ہے۔ مرید اپنے انداز سے ترازو بناتا ہے۔ شیخ اس ترازو میں کیسے سما سکتا ہے لامحالہ وہ ترازو ٹوٹ جائے گا۔ شیخ کا امتحان لینا گویا شیخ پر تصرف کرنا ہے۔ نقش نقاش کا کیا امتحان لے سکتا ہے۔ اگر کشف کے ذریعے شیخ کو آزماتا ہے تو یہ کشف بھی تو شیخ ہی کا دیا ہوا ہے۔ شیخ کو

چوں بخواہد عینِ غم شادی شود　　　عین بندِ پائے آزادی شود

جب وہ چاہتا ہے عین غم، خوشی بن جاتا ہے　　　خود بیڑی ہی آزادی بن جاتی ہے

آزمانے کا وسوسہ بھی دل میں آنا مرید کی تباہی کا سبب ہوتا ہے۔ جب مرید کے دل میں شیخ کے بارے میں ایسے وساوس پیدا ہوں تو مرید کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور اللہ سے اپنی اس گستاخی کی معافی مانگ لینی چاہیے۔ جب مرید پر شیخ کے بارے میں وسوسے آئیں تو وہ سمجھ لے کہ اس کے دین پر تباہی کے آثار نمودار ہو گئے ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ اور خرُوب گھاس کا اُگنا اور حضرت داوٗد علیہ السلام کا مسجد کی تعمیر کا ارادہ کرنا اور پھر رُک جانا

حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے حضرت داوٗد علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مسجد کی تعمیر سے روک دیا اور فرمایا کہ ہماری تقدیر میں تم اس کو تعمیر نہ کر سکوں گے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی کہ میری کیا خطا ہے کہ مجھے مسجد کی تعمیر سے روکا جا رہا ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام جب خوش الحانی سے زبور پڑھتے تھے تو بہت سے سننے والے جاں بحق ہو جاتے تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے فرمایا کہ میں زبور پڑھتے وقت جوش اور عشقِ خداوندی میں مغلوب ہوتا ہوں اور دستِ قدرت سے میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

جو شاہ کا مجنون ہوتا ہے وہ قابلِ رحم اور فانی ہوتا ہے۔ اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے مغلوب! تُو پوری طرح مَعْدُوم نہیں ہے۔ صرف اپنے اوصاف کو اللہ کے اوصاف میں گم کر دینے کے اعتبار سے مَعْدُوم ہوا اور جان لو کہ جو اس طرح کا مَعْدُوم ہوتا ہے وہ اشرف الموجودات ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں فنا کر دیا ہے تو اُس کی فنا تو دراصل بقا ہے۔ اب اُس فنا فی اللہ اور باقی باللہ کو یہ مقام حاصل ہے کہ تمام رُوحیں اُس کے زیر تصرّف ہیں اور تمام اجسام اُس کے زیرِ نگیں ہیں۔ جو ہم میں فنا ہو گیا وہ مُضطر نہیں ہے بلکہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے بااختیار ہے۔ بندہ کا اعلیٰ درجے کا اختیار تو یہی ہے کہ وہ ہماری مرضیات میں گم ہو جائے۔ اُس کو اگر اس اختیار میں لُطف نہ آتا تو اپنے آپ کو کیوں فنا کرتا۔ فانی فی اللہ اگرچہ دنیاوی لذّتوں کو مٹا دیتا ہے لیکن اُس کا یہ ترکِ لذات اُس کے لئے لذّت بن جاتا ہے۔ جو صفاتِ باری میں مغلوب ہو گیا وہ اللہ کی رحمتوں کے سمندر میں غرق ہو کر رحمتوں کا مُستحق ہو گیا لیکن وہ ایسا مَعْدُوم نہیں ہے کہ کوئی بھی وجود اُس پر غالب آ سکے۔ ایسا فانی فی اللہؔ موجودات پر حکمران بن جاتا ہے۔ اب نہ اُس کی کوئی مثال ہے نہ اُس کا کوئی مکان ہے اور نہ شان۔ وہ لازمانی ہے اور کم و کیف سے بھی جدا ہے۔ اِس معاملے میں نہ کوئی اَشکال اور نہ سوال و جواب کا موقع ہے، بس خاموشی اختیار کر لے۔

زِ امتحاں شرمندہ خلقے بے شمار　　زِ امتحانہا جُملہ از تو شرمسار

آزمائش بہت سے لوگوں کو شرمندہ کر دیتی ہے　　کیونکہ وہ اُس میں پُورے نہیں اُترتے

مومن آپس میں بھائی اور علما ایک جان ہیں انبیا علیہم السلام کا آپس میں اتحاد، اُن پر سلام، اگر تو اُن میں سے ایک کا بھی منکر ہے تو تیرا کسی نبی پر ایمان درست نہیں

اس بات کی شرح کہ مومن آپس میں بھائی ہیں اور علماء ایک جان ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا آپس میں اتحاد اُن پر سلام ہو کہ اگر تو اُن میں سے ایک کا بھی منکر ہے تو تیرا کسی نبی پر ایمان دُرست نہیں۔ اُن کا اتحاد ایسا ہے کہ ہزاروں گھروں میں سے ایک کو برباد کردو گے تو سب برباد ہو جائیں گے کیونکہ اُن سب میں تفریق نہیں ہے

قرآن میں ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی ''مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ مشہور مقولہ ہے کہ علماء ایک جان ہیں۔ قرآن میں ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ''ہم اس کے رسولوں میں کسی میں تفریق نہیں کرتے''۔ اسی لئے اُن میں سے ایک کا کفر سب کا کفر ہے۔ وہ گنتی میں متعدد ہیں لیکن اُن میں وحدتِ ایمانی ہے۔ رُوحِ انسانی جو ایک لطیفۂ ربانی ہے وہ رُوحِ حیوانی کے علاوہ ہے۔ حیوانات میں صرف رُوحِ حیوانی ہوتی ہے جو لطیف بخار ہے اور غذاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک بخار ہے اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اُسے رُوحِ باد کہتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اور انبیاء علیہم السلام کی رُوحِ انسانی ایک قوی تر لطیفۂ ربانی ہے۔ رُوحِ حیوانی ہر حیوان میں جداگانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک رُوحِ حیوانی اگر غذا حاصل کرتی ہے تو دوسری رُوح کو وہ غذا نہیں پہنچتی۔ اُن میں سے اگر غذا کی وجہ سے ایک گراں بار ہوتی ہے تو وہ گرانی دوسری کو نہیں ہوتی۔ ایک رُوحِ حیوانی کی خوشی دوسری کے رنج کا سبب ہے۔ ہم نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی رُوح کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے حالانکہ وہ رُوح ایک ہی ہے۔ اُس کا تعدد محض جسموں کے تعدد کی نسبت سے ہے۔ سورج کی دھوپ جب مختلف صحنوں اور مکانوں پر پڑتی ہے تو اُس میں تعدد ہے ورنہ وہ ایک ہی چیز ہے۔ رُوحِ انسانی کو سورج کے نور سے تشبیہ دینے سے بہت سے اشکالات پیدا ہو جائیں گے۔ مِثل اور مثال میں یہی فرق ہے کہ مِثل شے وہ کہلاتی ہے جو اُس شے سے ہر بارے میں متحد ہو اور مثال کا ہر صفت میں یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر ایک وصف میں بھی اتحاد ہے تو اُس کو اُس شے کی مثال کہہ سکتے ہیں۔ بہادر شخص کو شیر کہہ سکتے ہیں لیکن صرف مثال کے طور پر حالانکہ دونوں میں بہت سی باتوں میں فرق ہے صرف بہادری میں یکسانیت ہے۔ یہ مِثل نہیں ہے بلکہ مثال ہے۔

اس دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو رُوح کی مِثل ہو تاکہ اُس کے ذریعے رُوح کو سمجھایا جا سکے لیکن ایک ناقص

گر سیہ کردی تو نامہ عمرِ خویش
اگر تُو نے اپنا اعمال نامہ کالا کر لیا ہے

توبہ کُن زانہا کہ کردستی تو پیش
تو اپنے کئے ہُوئے پر توبہ کر لے

مثال پیش کی جاتی ہے۔ جسم کو ایک چراغ کی طرح اور رُوح کو اُس کی روشنی جیسا سمجھو۔ روشنی جب ہی ہو سکے گی جب اُس میں تیل اور بتی ہو۔ اِسی طرح جسم غذا کا محتاج ہے۔ انسان کے حواس اسی وقت کام کرتے ہیں جب تک حوائجِ ضروری پورے ہوتے رہیں مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ حوائج بھی پورے ہوتے ہیں تب بھی وہ فنا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح چراغ باوجود بتی اور روغن کے سورج نکلنے پر اپنے وجود کو گویا معدوم کر دیتا ہے اسی طرح جب موت کا وقت آتا ہے تو یہ رُوحِ حیوانی اور حواس معدوم ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لئے موت کا وقت ایسا ہی ہے جیسے چراغ کے لئے دن کا نکلنا۔ جس طرح رُوحِ حیوانی کا بقا نہیں ہے اِسی طرح رُوحِ انسانی کا بھی بقا نہیں ہے۔ حشر میں تجلّیءِ رَب کے سامنے اس کا بھی بقا نہ رہے گا۔ اِس رُوحِ انسانی کی فنا گھاس پھوس کی فنا کی طرح نہیں ہے۔ رُوحِ انسانی کی فنا ایسی ہے جیسی کہ چراغ کی روشنی کی فنا سورج کی موجودگی میں ہوتی ہے۔

رُوحِ انسانی کی فنا کی دوسری مثال یہ ہے کہ پسّو کے کاٹے کا درد سانپ کے حملے کے وقت محو ہو جاتا ہے یا جیسے کہ کوئی شہد کی مکھیوں کے ڈر سے پانی میں محو ہو جاتا ہے۔ شہد کی مکھیاں اُس کا تعاقب کرتی رہتی ہیں کہ باہر نکلے تو پھر ڈنک لگائیں۔ رُوحِ انسانی کی محویت اسی طرح کی ہے۔ انسانی وساوس کا حال شہد کی مکھیوں کا سا ہے اور اُن سے بچاؤ ذکر اللہ کے پانی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ جب انسان رُوحانی ترقی کرتا ہے تو خود اُس کی طبیعت ذکر اللہ کی صفائی حاصل کر لیتی ہے اور طبیعت وساوس کو دُور کرنے لگتی ہے اور اُس کو حبسِ دم اور ذکر خفی وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اب خود سالِک کی طبیعت میں وہ خواص پیدا ہو جاتے ہیں' جو اذکار میں تھے۔ جس طرح رُوحِ انسانی بالکل فانی نہیں ہے' اِسی طرح بہت سے بزرگ وہ ہیں جن کی موت فنا محض نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے موت کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ صفاتِ باری میں مُستغرق ہیں۔ اللہ کی صفات میں وہ اِسی طرح مَعدُوم ہیں جس طرح چراغ کی روشنی سورج کی روشنی کے سامنے مَعدُوم ہوتی ہے اور ستارے سورج کی روشنی میں مَعدُوم ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "بس ایک زور کی آواز ہوگی تو ایک دم سب لوگ ہمارے حضور لا حاضر کئے جائیں گے"۔ مُحْضَرُوْنَ یعنی حاضر کئے جائیں گے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ رُوحیں موجود تھیں' مَعدُوم نہ تھیں' تبھی حاضر کی گئیں۔

رُوحِ حیوانی کو بقا باللہ حاصل نہیں ہے اِس لئے وہ عتاب میں ہوگی اور جو رُوحِ انسانی بقا باللہ حاصل کرے گی اُس کو رویتِ باری حاصل ہوگی۔ رُوحِ حیوانی سے اتحاد اور اِتصال عذاب کا سبب ہے۔ اپنی رُوح کو سالکوں کی رُوح سے وابستہ کر لو تو دیدارِ الٰہی حاصل ہوگا۔ اَرواحِ حیوانی سے قطع نظر کرو کیونکہ اُن رُوحوں میں کوئی یگانگت نہیں ہوتی۔ اسی لئے

عُمر گر بگذشت بیخش این دم است
اگر کافی عُمر گزر چکی ہے تو زندگی کی جڑ تو ابھی ہری ہے

آبِ توبہ اش دِہ اگر او بے نم است
اُس جڑ کو توبہ کا پانی دے دے

یہ باہمی اختلاف اور جنگ و جدل میں رہتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوح 'رُوحِ انسانی ہے جس میں وحدت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں خورشیدِ وحدت کا نور ہیں جو باہمی مُتّحِد ہیں۔ رُوحِ حیوانی وہی چراغ والی روشنی ہے۔ چونکہ اُن میں اِتحاد نہیں ہے اِس لئے کوئی انسان دوسرے انسان سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ رُوحِ حیوانی غذاؤں سے زندہ ہے اور پھر اُس کے لئے فنا ہے۔ اُن کی مثال چراغ کی طرح ہے ایک گھر کا چراغ بجھ جائے تو دوسرے گھر کا جلتا رہتا ہے۔ رُوحِ انسانی کی مثال چاند کی روشنی کی ہے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو سب گھروں میں نور پھیلتا ہے تو اُن تمام گھروں کے نور میں وحدت ہے۔ رُوحِ انسانی میں چونکہ وحدت ہے اِس لئے شیخِ کامل اپنی زندگی میں چاند کی طرح ہر مرید کو روشنی عطا کرتا ہے۔ جب وہ شیخ اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے تو مریدوں میں اِستفاضہ کی وہ پہلی سی کیفیت نہیں رہتی۔

میں نے ذاتِ مقدس اور اُس کے نور کی مثال سورج اور اُس کی روشنی سے دی ہے یہ صرف مثال ہے جو تمام حیثیتوں میں مِثل لہٗ کی طرح نہیں ہوتی ہے۔ تیرے لئے یہ مثال ہدایت کا کام کرے گی اور فلسفی کے لئے جو اپنے دماغ کے ذریعے اسرارِ معرفت میں قیاس کو دخیل بناتا ہے رہزن بنے گی اور اُس کو مزید گمراہ کردے گی۔ منکر اور مُعترض لوگ اپنے اِعتراضات کے ذریعے اپنے اِدراک کو نور سے محروم کردیتے ہیں اور ہمیشہ شک وشُبہ اور وہم میں مبتلا رہتے ہیں۔ گھوڑے پر قاعدے کے مطابق سوار ہوگا تو ہی فائدہ اُٹھائے گا اور اگر اُس کے پاؤں پکڑنے کی کوشش کرے گا تو لات کھائے گا۔ یہی مثال کلامِ حق اور اَسرارِ معرفت کی ہے کہ اُس پر صحیح طریقہ سے غور کروگے تو فائدہ اُٹھالوگے اور مُعترضانہ نگاہ ڈالوگے تو تباہی ہوگی۔ راہِ سلوک کو آسان اور حقیر نہ سمجھ۔ اِس راہ میں بہت صبر اور استقلال کی ضرورت ہے جو نفس پر بہت شاق گزرتا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے مسجدِ اقصٰی کی تعمیر کا بقیہ قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصٰی کی تعمیر شروع کردی جو کہ کعبہ کی طرح پاک اور منٰی کی طرح بابرکت تھی۔ پہاڑوں کے پتھر خود پکار اُٹھتے تھے کہ ہمیں لے جا کر تعمیر میں لگاؤ۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی مٹی اور پانی پُرنور تھا جب اُن کا مجسمہ بنایا گیا۔ اِسی طرح اِس مسجدِ اقصٰی کے پتھر' پانی اور مٹی پُرنور تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مُعجزے سے وہ پھر خود بخود تعمیر میں لگنے کے لئے آنے لگے اور مسجد کے درودیوار میں زندگی پیدا ہوگئی۔ بہشتی درودیوار میں بھی زندگی ہوگی۔

قرآن پاک میں ہے: اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ یعنی "بے شک آخرت کا گھر زندہ ہے"۔ انسان کا جسم' پانی

سیّاٰتت را مُبدّل کرد حق　　　تا ہمہ طاعت شود آں ماسبق
اللہ تیرے گناہوں کو تبدیل کردیتا ہے　　　اور پہلے کا کیا ہوا سب کچھ عبادت بنا دیتا ہے

اور مٹی سے بنا ہے اور اس میں زندگی ہے تو جنت کے در و دیوار میں زندگی کیوں نہ ہوگی۔ جنت کی ہر چیز میں حیات اور زندگی ہوگی اور وہ جنتیوں سے گفتگو کرے گی۔ جنت کی تعمیر انسانوں کے نیک اعمال سے ہوگی۔ دنیاوی مکان مردہ مٹی اور پانی سے بنتے ہیں اس لئے وہ مردہ ہوتے ہیں۔ جنت زندہ عبادتوں سے تعمیر ہوگی تو اُس میں زندگی ہوگی۔ جنت کے تخت، قلعے اور لباس سب زندہ ہوں گے۔ وہاں کے فرش بھی زندہ ہوں گے، اس لئے خود بچھیں گے اور لپٹیں گے۔ چونکہ گھر میں بھی زندگی ہوگی اس لئے وہ خود اپنے آپ کو صاف کرلے گا۔ جنت کا تخت خود بخود چلے گا۔ جنتی کی خواہش کے مطابق دروازے اور زنجیریں خود مطرب اور قوال کا کام کرنے لگیں گے۔

جھاڑو دینے والے کے بغیر جنتی گھر کے صاف ہو جانے پر تعجب نہ کرو۔ خود اپنے دل کو دیکھو۔ گناہوں سے آلودہ ہوتا ہے اور توبہ سے خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ دل کی زندگی کی پوری کیفیت سمجھانے سے زبان قاصر ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مکمل ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام روزانہ صبح کو مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت کرتے۔ وہ لوگوں کو کبھی زبانی نصیحت فرماتے اور کبھی عملی طور پر عبادت کے ذریعے لوگوں کو ہدایت کرتے۔

امیر المومنین حضرت عُثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا کا قصّہ
"زبانی عبادت سے عملی عبادت بہتر ہوتی ہے"

عملی نصیحت میں حکم کا لہجہ بھی نہیں ہوتا اس لئے وہ ماتحتوں پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ وہ ناصح جس کا عمل دوسروں کی نصیحت کا سبب بنے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے تین درجے تھے۔ خطبے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اُوپر کے درجے پر بیٹھتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احتراماً دوسرے درجے پر بیٹھنا شروع کیا اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں تیسرے درجے پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم والے درجے پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر تیسرے درجے پر بیٹھوں گا تو لوگ سمجھیں گے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا ہوں۔ دوسرے درجے پر بیٹھوں گا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا سمجھیں گے۔ اب میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے پر اس لئے بیٹھنا شروع کر دیا ہے کہ مجھے اُن جیسا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ بہت دیر تک منبر پر خاموش بیٹھے رہے اور پھر یہ کہہ کر نیچے اُتر آئے کہ تمہارا امیر فعّال ہے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ صاحبِ قال ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ اُن سے خطبہ دینے کو کہے یا اُٹھ کر چلا جائے اور اُس وقت وہ مظہرِ خداوندی بنے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بھی اس مُشاہدے کے اثرات محسوس کر رہے تھے۔ اندھا سورج

مرکبِ توبہ عجائب مرکبست	بر فلک تازد بیک لحظہ ز پست
توبہ کی سواری عجب سواری ہے	ایک لحظے میں نیچے سے آسمان تک پہنچ جاتی ہے

کی گرمی سے سورج کے طلوع کو سمجھتا ہے لیکن اُس نور کی گرمی انسان کو بینا بنا دیتی ہے۔ اُس نور کی گرمی سے اگرچہ ایک بے چینی محسوس ہوتی ہے لیکن دل میں اُس سے کشادگی اور وُسعت پیدا ہوتی ہے۔ جس میں مُشاہدہ کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ بھی جس وقت اُس نور سے متاثر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بینا سمجھنے لگتا ہے۔ جس میں مُشاہدہ کی قوت نہیں ہوتی وہ خوشی میں مست ہو کر سمجھتا ہے کہ مُشاہدہ ہو گیا۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ تھوڑی سی اور محنت کرے تب وہ بھی اِس مقام پر پہنچ جائے گا۔ یہ تو اُس شخص کی حالت تھی جسے مُشاہدہ حاصل نہیں لیکن جس کو حاصل ہے اُس کی حالت سوگنی ہوگی۔ اِس نور کے مُشاہدے سے جو کیفیت حاصل ہوگی اُس کی تشریح حکیم بوعلی سینا بھی اپنی عقل اور فلسفے کے زور سے نہیں کر سکتا۔

مقامِ مُشاہدۂ مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ پردہ دلائل سے نہیں ہٹتا۔ جو شخص نبوت کے واسطے کے بغیر محض عقلی دلائل سے وصول الی اللہ کی کوشش کرے گا اُس کے لئے ہلاکت ہے کیونکہ عقل کا وہ ہاتھ جو اس پردہ کو ہٹانے کی کوشش کرے گا خدائی تلوار وہ ہاتھ ہی کاٹ دے گی۔ عقل کے ہاتھ سے یہ پردہ ہٹانے کی کوشش دراصل ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ اِس طرح کی فرضی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر خالہ کے خصیے ہوتے تو وہ خالو بن جاتی۔ زبانی دلائل سے مُشاہدہ تک پہنچنے کے لئے اگر میں بیس سال کا فاصلہ بتاؤں تو وہ بھی کم ہے۔ کہیں مُشاہدے کی دُوری سے گھبرا کر اس کی کوشش نہ چھوڑ بیٹھنا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اِس فاصلے کو کم کرنا چاہیں گے تو فوراً کم کر دیں گے۔ ستاروں کا فاصلہ زمین سے کروڑوں سالوں کی مسافت کا ہے لیکن قدرت اُن کی روشنی فوراً زمین تک پہنچا دیتی ہے۔ جب چاند اور سورج وغیرہ اپنی روشنی سے زمین کی تاریکیوں کو مٹاتے ہیں تو اللہ تو اپنی صفات میں اُن سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ مختلف آسمانی اجسام کے اثرات جو کہ مثبت ہوں یا منفی زمین کی مخلوق کے مطابق باوجود اتنے فاصلہ ہونے کے اُن کو زمین تک پہنچاتا ہے یا نقصان وہ اثرات کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ آفتابِ حق کے سامنے اِن اثرات کی (جو سایہ کی طرح ہیں) کیا حقیقت ہے۔ جس طرح ستارے زمین پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کا وجود ستاروں پر اثر انداز ہے۔

اہلِ عقل انسان کو عالمِ صغیر اور جہان کو عالمِ کبیر تصور کرتے ہیں لیکن اہلُ اللہ قربِ حق کی وجہ سے انسان کو جہانِ کبیر اور دُنیا کو جہانِ صغیر کہتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ اہلِ فلسفہ کی نگاہ صرف انسانی جسم پر ہے۔ یاد رکھو! اگر انسان کی تخلیق قدرت کا منشا نہ ہوتی تو اس عالم کو پیدا نہ کیا جاتا۔ درخت کی ٹہنی پہلے ہے اور پھل بعد میں لیکن پھل کو حاصل نہ کرنا ہوتا تو ٹہنی کے وجود کے کیا معنی۔ پھل مقصود نہ ہوتا تو کوئی درخت نہ بوتا۔ اس لئے کہ زمانی طور پر پھل بعد میں ہے لیکن

مرکبِ توبہ عجائب مرکبست	بر فلک تازد بیک لحظہ زپست
توبہ کی سواری عجب سواری ہے	ایک لحظے میں نیچے سے آسمان تک پہنچ جاتی ہے

غائیت کے اعتبار سے پہلے ہے۔

حدیث میں آنحضور ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے روز لوائے حمد اٹھانے والا ہوں، جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے"۔ یہ اس لئے فرمایا کہ آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی تخلیق سے مقصود آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ چونکہ مقصود حضور ﷺ کی تخلیق تھی اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اگرچہ آخر میں بھیجا گیا ہوں لیکن چونکہ مقصود میں ہوں اِس لئے میں پہلے ہوں۔ چونکہ حقیقتِ آدم علیہ السلام کا ظہور حقیقتِ محمدیہ ﷺ سے ہوا اور آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ اس لئے بنے کہ اُن کی پشت میں نورِ محمدی ﷺ تھا۔ ہونے والی ہر چیز کا فکر اور تصور اُس کے وجودِ خارجی سے پہلے ہوتا ہے۔ یاد رکھو! ذکر اور مُشاہدہ کے درمیان فاصلے سے سالِک کو گھبرانا نہیں چاہیے۔ قدرت جب چاہے فاصلوں کو کم کر دیتی ہے۔ اگر سفر میں کامیابی ہو جاتی ہے تو راہ کا فاصلہ اور دشواری بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ انسان کا دل ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے کعبہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ کا کرم ہو تو جسم بھی دل کی رفتار اِختیار کر لیتا ہے۔ بہت سے بزرگوں سے ایسی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ راستہ کی درازی اور کوتاہی جسم کے لئے ہے رُوح کے لئے نہیں ہے۔ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی صورت پیش آتی ہے۔ مجاہدہ کرنے والے کو بس قیل و قال ختم کر کے عمل میں لگ جانا چاہیے۔ خدا سے اُمید ہے کہ وہ مُشاہدہ کی منزل تک پہنچا دے گا۔ دُنیا سے آنکھیں بند کر کے عمل کیا جائے تو منزل ضرور مل جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر عمل کر کے ایک انسان نجات حاصل کر سکتا ہے۔

سالِک کے لئے شیخ کی صحبت، کشتی نوح علیہ السلام کا کام کرتی ہے۔ سالِک خواہ کیسا ہی ہو راہِ سلوک بغیر شیخ کے مشکل ہے۔ شیخ، سالِک کی کبھی صفتِ جمال سے تربیت کرتا ہے اور کبھی صفتِ جلال سے۔ لیکن شیخ کی نرمی اور سختی دونوں رُوحانی مَدارج کی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔ شیخ کی محبت اور غصہ دونوں کے اثراتِ مرید کے لئے مُفید ہیں لہٰذا اثر کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ شیخ اپنے قہر سے مرید کو متواضع بناتا ہے اور اُس میں اخلاقِ حسنہ کا سبزہ اُگاتا ہے۔ مرید کی اُس رُوحانی شادابی کو شیخ دیکھتا ہے۔ یاد رکھو! شیخ کے ساتھ بے اعتقادی فیض کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ یمن میں رہتے تھے۔ وہ بہت بڑے عاشقِ رسول ﷺ تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں یمن کی جانب سے رحمٰن کی خوشبو سونگھتا ہوں"۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی خوشبو کے بارے میں تھا۔

جُود محتاج ست و خواہد طالبے	ہم چنانکہ توبہ خواہد تائبے
سخاوت کوئی طلب گار چاہتی ہے	جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے

بزرگوں کی صحبت میں جو معراج ہوگی وہ ایسی معراج نہ ہوگی جیسے کہ دھوئیں یا غبار کا اُوپر کی طرف اُٹھنا بلکہ ایسی بامعنی معراج ہوگی جیسی کہ بانس کو معراج حاصل ہوئی کہ اُس میں شکر پیدا ہو جاتی ہے۔ فنا کا بُراق ایسا ہے کہ اگر تم فنا کا مقام حاصل کر چکو گے تو خود بخود تمہیں بقا کی طرف لے آئے گا۔ اس طرح فنا کے عروج کے بعد تم سیرِ نزولی کر کے پھر اپنی ہستی میں آجاؤ گے۔ فنا کا مقام حاصل ہو جانے پر سالک دُنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شیخ کی صحبت میں جو سَیر ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح جان معشوق کی طرف کھینچتی ہے۔ اس سَیر میں ہاتھ پاؤں کام میں نہیں آتے اور یہ سَیر ایسی ہی ہے جیسی رُوح کی سَیر عدم سے وجود کی طرف ہوتی ہے۔ یہ عروج و نزول اور فنا اور بقا کا بیان اس درجہ کا ہے کہ اس کے بعد کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں اگر سننے والا اپنے ہوش و حواس سے اِسے سُن لے۔ پس مرید جس قدر بھی اعتقاد کے موتی برسائے گا اس میں خود اسی کا فائدہ ہے۔ اسی مناسبت سے بلقیس کا قصہ سنو۔

بلقیس کا شہر سبا سے حضرت سُلیمان علیہ السلام کو ہدیہ بھیجنا، حضرت سُلیمان علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام

بلقیس یمن میں شہر سبا کی ملکہ تھی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں چالیس اونٹ سونے کی اینٹوں سے لدے تھے۔ جب وہ قافلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاقے میں پہنچا تو وہاں کا سارا فرش سونے کا بنا ہوا تھا۔ اُن لوگوں نے اتنا سونا دیکھا تو اپنے تحفے کی کوئی قدر نظر نہ آئی۔ اُنہوں نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ یہ تحفہ پیش کرنے کی بجائے واپس لے جائیں کیونکہ یہاں سونا پیش کرنا نادانی کی بات ہے۔ اللہ کے معاملے میں عقلی باتیں بھی ایسی ہی بے کار ہوتی ہیں۔ پھر اُن لوگوں نے مشورہ کیا کہ ہمیں ہدیے کے اچھے یا بُرے ہونے سے مطلب نہیں ہونا چاہیے ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس مال کو دیکھ کر ہنسے اور فرمایا: میں نے صرف ایمان طلب کیا ہے مال نہیں مانگا۔ میرے پاس تو مسلمان ہو کر آجاؤ۔ میں دُنیا کے ہدیوں سے بے نیاز ہوں۔ اللہ نے مجھے ایسی دولتیں دی ہیں کہ کوئی انسان حاصل کرنا تو درکنار اُن کی آرزو بھی نہیں کرسکتا۔ سورج کی شعاعوں سے زمین میں سونا بنتا ہے اس لئے تم سورج کی پوجا کرتے ہو۔ تمہیں تو اُس خدا کو پوجنا چاہیے جس نے سورج بنایا۔

کائنات کو اللہ نے انسان کے لئے بنایا ہے اس طرح تو سب کچھ انسان کا خادم ہے نہ کہ معبود۔ جب سورج کو گرہن لگتا ہے تو ایسی چیز کو پوجنا جو کہ خود مجبور ہو حماقت ہے۔ گرہن کو دُور کرنے کے لئے اللہ سے دُعائیں کی جاتی ہیں۔ رات کو سورج غائب ہو جاتا ہے اور رات کو اگر مصیبت آئے تو اُسے کیسے پکارو گے۔ یہ تو خود مخلوق ہے اس لئے خالق کی

جُود محتاج ست و خواہد طالبے | ہم چنانکہ توبہ خواہد تائبے
سخاوت کوئی طلب گار چاہتی ہے | جس طرح توبہ، توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے۔

عبادت کرنی چاہیے۔ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو گے تو مصائب سے نجات پالو گے اور کائنات کے ہم راز بن جاؤ گے۔ پھر میں تمہیں اسرارِ الٰہی بتاؤں گا تو پھر تمہیں اُس سورج کا مُشاہدہ ہوگا جو آدھی رات میں بھی موجود ہے۔ ذات کا مظہر صرف پاک رُوح ہے اور وہ ہر وقت موجود ہے۔ دنیاوی دن کوئی چیز نہیں ہے۔ دن تو وہ ہے جب وہ آفتابِ حقیقت طلوع کرے۔ اگر وہ رات میں بھی تجلی ڈال دے تو رات، رات نہیں رہتی۔ جس طرح دنیاوی سورج کے مقابلے میں ذرّہ بے حقیقت ہے، اسی طرح آفتابِ حقیقت کے مقابلے میں یہ سورج بے حقیقت ہے۔ یہ نورِ عرش کے مقابلے میں مسکین اور ناپائیدار ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس قدر شدید نور کو دیکھنے کی طاقت عطا فرما دیتا ہے اور انسان اُس کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ وہ آفتابِ حقیقت میں ایسی کیمیا ہے کہ اُس کے اثر سے دُھواں سورج بن گیا۔

قرآن میں مذکور ہے کہ ابتدا ایک مادہ دھوئیں کی شکل میں تھا جس سے آسمان بنایا گیا تو ظاہر ہے اُسی سے آسمانی کائنات بھی بنی ہوگی۔ یہ خدا کی کیمیا گری ہے کہ اُس نے دھوئیں سے سورج بنا دیا۔ جس طرح آسمان اور سورج اللہ تعالیٰ کی کاری گری سے بنے ہیں اسی طرح رُوح کے موتیوں کو بھی سمجھ لو۔ جسمانی آنکھ تو اُس سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتی، مُشاہدۂ حق کیسے کرے گی؟ اِس کے لئے ربانی آنکھ کی ضرورت ہے۔ ربانی آنکھ نورانی ہے اور جسمانی آنکھ اُس کے مقابلے میں تاریک ہے۔

شیخ عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا نُور اور اُن کی کرامات

شیخ عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس کرامت سے ربانی آنکھ کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ صوفیوں نے بیان کیا ہے کہ اُن کو آزمانے کے لئے ہم آدھی رات میں اُن کے پیچھے چل پڑے۔ وہ تاریک رات میں آگے آگے چل رہے تھے اور بغیر منہ موڑے پیچھے چلنے والوں کو ہدایات دے رہے تھے یعنی اُن کو اندھیرے میں نیچے کی سب چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ دن نکلنے پر ہم نے اُن کی مزید کرامت یہ دیکھی کہ اُن کے پاؤں پر مٹی بھی نہ لگی ہوئی تھی تو ہم نے ازراہِ عقیدت اُن کے پاؤں چومے۔ اُن کے پاؤں پر کانٹے یا پتھر لگنے کا کوئی نشان نہ تھا حالانکہ وہ کانٹوں اور پتھروں پر چلے تھے۔

خدائی نور سالک کے آگے آگے چلتا ہے اور اُس کو مہلکات سے بچاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "یہ وہ دن ہوگا جبکہ اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رُسوا نہ کرے گا۔ اُن کے ایمان کی روشنی اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب چل رہی ہوگی۔ دُعائیں کرتے جاتے ہوں گے کہ اے ہمارے

من ز مکرِ نفس دیدم چیزہا
مَیں نے نفس کے مکر سے بہت چیزیں دیکھی ہیں

کو بُرد از مکرِ خود تمیزہا
وہ اپنے مکر سے اچھا اور بُرا سمجھنے کی تمیز مٹا دیتا ہے

پروردگار! ہماری اِس روشنی کو ہمارے لئے آخر دم تک قائم رکھ" اگر چہ اِس نور میں قیامت میں اضافہ ہوگا لیکن یہاں بھی اُس کے اضافے کی دُعا کر کے دیکھو۔ کیونکہ جب وہ غیر جاندار چیزوں کو نور عنایت کر سکتا ہے تو اشرف المخلوقات کو کیوں عطا نہ کرے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں سونے کی ارزانی دیکھ کر وہ سونے کا ہدیہ دینے پر شرمندہ ہو رہے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع ہدیوں کے واپس کر دینا اور بلقیس کو سُورج پرستی چھوڑ کر ایمان کی دعوت دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے کہا کہ واپس جاؤ۔ یہاں سے اور سونا بھی لے جاؤ تا کہ تمہاری حرص کی تسکین ہو۔ اللہ کے دربار میں سونے اور چاندی پیش کرنے کی بجائے اپنے دل پیش کرو۔ اپنے جسم کی بے بصیرتی کو اپنے آپ سے دُور کر کے کسی گندی جگہ پر پھینک دو۔ عاشق کی زینت اُس کی جسمانی کمزوری اور چہرے کی زردی ہے۔ "رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر" (چہرے کا رنگ زرد ٹھنڈی آہیں اور آنکھیں پُرنم) وہاں ان تحفوں کی اہمیت ہے۔

وہ پرندہ جو دانے کے لالچ میں ہے اگر چہ بالاخانے پر پَر کھلا بیٹھا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ جال میں پھنسے ہی پھنسے۔ اُن کی للچائی ہوئی نظر دراصل اُس کے پاؤں میں پڑنے والی گرہ ہے۔ جب لالچی نظر پرندہ کو دانہ کی طرف کھینچ لائی ہے تو پرندہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ شکاری اُس سے غافل نہیں ہے۔ پرند جس طرح یہ سمجھتا ہے کہ وہ شکاری کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر دانہ کھا جائے گا وہ خود جال میں پھنس جاتا ہے۔

عطّار جس کا باٹ مُلتانی مٹّی کا تھا مٹّی کھانے والا خریدار باٹ کی مٹّی چوری کھاتے ہوئے اپنی شکّر کا نقصان کر رہا تھا اور عطّار کا اُس کو اَن دیکھا کر دینا

ایک عطار کے پاس ایک مٹی خور گیا تا کہ عُمدہ شکر خریدے۔ عطار کے ترازو میں مٹی سے بنا ہوا باٹ تھا۔ عطار بولا: میرا باٹ مٹی کا ہے اگر تو چاہے تو تول دوں۔ عطار مٹی کے باٹ سے کم چیزیں تولتا تھا۔ خریدار نے کہا کہ مجھے قند کی ضرورت ہے باٹ چاہے کوئی بھی ہوں۔ دکاندار دکان میں گیا تو مٹی کھانے والے لالچی نے باٹ میں سے مٹی کھالی اور سوچا کہ میں دکاندار کی غفلت سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں حالانکہ وہ خود اپنا نقصان کر رہا تھا یعنی باٹ کو چھوٹا کر رہا تھا۔ لیکن مٹی کھانے والے کے لئے مٹی شکر

کو ہزاراں بار آنہا را شکست لیکن اُن وعدوں کو ہزار بار توڑتا ہے	وعدہا بدہد ترا تازہ بدست تیرے ہاتھ میں تازہ وعدہ دیتا ہے

سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے۔ مٹی چور دکاندار سے ڈرتا ہوا مٹی چُرا رہا تھا اور دکاندار نے اُس کو دیکھ لیا اور خود کو زیادہ مشغول کر دیا تا کہ وہ زیادہ مٹی چُرا سکے کیونکہ جس قدر وہ مٹی زیادہ چُرائے گا اسی قدر شکر کم چڑھے گی۔ اس طرح مٹی خور خود اپنا ہی نقصان کر رہا تھا۔ دکاندار دل میں کہنے لگا کہ میرا دیر کرنا میری بیوقوفی نہیں ہے بلکہ فائدہ مند ہے۔ جب گھر جا کر شکر تولے گا تو تجھے پتہ چلے گا کہ تُو خود بے وقوف ہے۔

ایک شخص کسی حسین کے ساتھ نظر بازی کرتا ہے تو بظاہر تو وہ لطف اندوز ہوتا ہے لیکن ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ "نظر بازی شیطان کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے" دُنیا کی زیب و زینت ضعیف الایمان لوگوں کا جال ہے۔ مومنِ کامل تو آخرت کے دِلدادہ ہوتے ہیں۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کی دِلداری کرنا، نوازنا، ہدیہ قبول نہ کرنے کے عُذر کی تشریح

حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ میں تمہیں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں۔ زیادہ سونے کا مالک شاہ نہیں ہوتا۔ شاہ تو وہ ہے جو سونے کی ہلاکت سے بچ جائے۔ دنیادار اپنے آپ کو حاکم اور شاہ کہتا ہے جو کہ حقیقت کے بالکل اُلٹ ہے۔ اب تم میری طرف سے قاصِد بن کر جاؤ۔ ہدیہ کو واپس کرنا تمہارے لئے مُفید ہے کیونکہ تم ایمان لے آؤ گے۔ تم اپنے واقعات جا کر بلقیس کو سناؤ اور بتاؤ کہ ہم چالیس منزل سونے پر چلتے رہے اور ہمیں سونے کا ہدیہ پیش کرتے ہوئے شرمندگی ہوئی تا کہ بلقیس یہ سمجھ جائے کہ ہم اُس کی دولت کے طالب نہیں ہیں۔

محشر کے دن زمین کو چاندی جیسا کر دیا جائے گا جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما دے گا کہ اُس کے یہاں سونے چاندی کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ ہم تو انسانوں کو ایمان عطا کر کے اُن کو زریں بنا دیتے ہیں"۔ مومنِ مخلص بن جاؤ گے تو کیمیا گر بن جاؤ گے۔ آخرت کے ملکوں کی خاطر دُنیا کی سلطنت کو خیر باد کہہ دو۔ یاد رکھو! تمہارا حکم تو تمہاری داڑھی پر بھی نہیں چلتا ہے ورنہ یہ تمہاری منشا کے خلاف سفید نہ ہوتی۔ اصل بادشاہت تو اُس کی ہے جو اللہ کے دربار میں سرِ نیاز جھکا دے۔ اللہ اُسے اس دُنیا کی حکومت کے علاوہ اور حکومتیں عطا فرما دیتا ہے۔ جب تم میں سجدہ کرنے کا ذوق پیدا ہو جائے گا تو تم سلطنتوں سے بیزار ہو جاؤ گے اور خدا سے دُعا کرو گے کہ بس یہی دولت کافی ہے۔

دنیاوی بادشاہ چونکہ بندگی کی مستی سے ناواقف ہیں اس لئے وہ سلطنت کے شوق میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ واقف ہو جائیں تو حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سلطنت پر لات مار دیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو دُنیا کا نظام چلانا ہے اس

در وجودِ ما ہزاران گرگ و خوک	صالح و ناصالح و خوب و خشوک
ہمارے وجود کے اندر ہزاروں بھیڑیے اور سؤر ہیں	اچھے اور بُرے، نیک اور بد موجود ہیں

لئے لوگوں کو اُس لذت سے محروم کر دیا ہے اور وہ مگن ہیں کہ ہم دُنیا کے حاکم ہیں۔ دُنیا کی دولت دُنیا میں ہی رہ جاتی ہے اور رُوح پرواز کر جاتی ہے۔ وہ سُرمہ کہیں سے حاصل کر لے جس سے یہ چیزیں بے حقیقت نظر آئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام رسی کے ذریعہ کنویں سے باہر آئے۔ تو بھی عبادات کی رسی کے ذریعے دُنیا کے اس کنویں سے باہر نکل آ۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے برآمد ہوئے تھے تو ڈول نکالنے والا چیخ اُٹھا تھا کہ خوشخبری ہے یہ تو لڑکا ہے۔ اسی طرح تیری رُوح تیرے جسم کے کنویں میں سے نکل آنے پر خوشخبری دے گی۔ دُنیا میں نظر کا فریب ہے کہ دُنیا کی بے حقیقت دولت کو قیمتی دکھا دیتی ہے، جس طرح بچے کھیل کود میں ٹھیکریوں کو روپیہ پیسہ تصور کرتے ہیں۔ جو عارف باللہ ہو جاتے ہیں وہ تو خود کیمیا گر ہیں اُن کی نگاہ میں سونے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

ایک درویش کی بزرگوں سے بلا مشقت حلال روزی کی درخواست، اُن کی کڑوے پھلوں کی طرف رہنمائی اور اُن جنگلی کڑوے پھلوں کا شیریں بن جانا

اہل اللہ کی نظر میں دُنیا کا مال ہیچ ہوتا ہے اور اُن کی ہمت کیمیا کا کام کرتی ہے۔ ایک درویش نے ابدالوں کے گروہ سے کہا کہ مجھے ایسی تدبیر بتا دیجئے کہ مجھے بلا کمائے حلال روزی حاصل ہو جائے۔ درویش نے بتایا کہ وہ لوگ مجھے جنگل میں لے گئے۔ اُنہوں نے جنگلی پھل جھاڑے اور دُعا کی کہ میرے لئے یہ کسیلے پھل میٹھے ہو جائیں۔ اُن پھلوں کے کھانے سے میرے کلام میں وہ شیرینی پیدا ہوئی کہ لوگ اُس پر فریفتہ ہونے لگے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو اپنی شُہرت اور عوام میں مقبولیت ناگوار ہوتی ہے۔ اُس درویش نے دُعا کی کہ اے دُنیا کے پالن ہار! یہ شُہرت تو فتنہ ہے۔ مجھے وہ انعام عطا فرما جو لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ اللہ نے کرم کیا اور اُس کے لُطفِ کلام کی کیفیت زائل ہو گئی جو کہ عوام میں شُہرت کا سبب تھی اور دل میں ایک جذبہ و مسرّت پیدا ہو گیا۔ وہ قلبی کیفیت اِس قدر پُر مسرّت تھی کہ اگر جنت میں صرف وہی حاصل ہو تو اور کسی چیز کی تمنّا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُس درویش کے ساتھ واقعہ سنو۔

اُس کا سوچنا کہ یہ سونا لکڑہارے کو دے دُوں جب کہ مَیں نے اللہ کے کرم سے حلال روزی پالی، لکڑہارے کا دِل میں اُس کی بات اور نیت سے رنجیدہ ہونا

ایک درویش جنگل سے تھکا ہارا لکڑیاں لا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ نے مجھے روزی کی فکر سے آزاد کر دیا ہے، جنگلی ناگوار پھل میرے لئے عمدہ بن گئے ہیں، میں اس غریب

حکم آنخواست کو غالب ترست
حکم اُس خصلت کے مطابق ہوگا جو غالب ہو گی

چونکہ زر بیش از مس آمد آں زرست
زیادہ سونے میں تھوڑا تانبا بھی ہو تو وہ سونا ہی تصور ہو گا

لکڑہارے کی مدد کردوں۔ یہ دو تین دن میرے عطیہ سے اپنا کام چلالے گا۔ لکڑہارے درویش کو اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی حاصل تھی اور دوسروں کے دل کی بات اُس پر ظاہر ہو جاتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بڑبڑایا۔ میں اُس کی بات اچھی طرح نہ سمجھا لیکن اُس کے غصے کا اثر میں نے اپنے قلب پر محسوس کیا۔ وہ لکڑہارا بزرگ لکڑیوں کا گٹھڑا زمین پر ڈال کر شیر کی طرح میری طرف آیا تو میں ڈر سے کانپنے لگا۔ میرے پاس آکر اُس نے دُعا کی کہ اے خدا! اگر تیرے مقربانِ بارگاہ زندہ ہیں جن کی دُعا مقبول ہو جاتی ہے تو میں تیری وہ مہربانی چاہتا ہوں جس سے یہ سب لکڑیاں سونے کی ہو جائیں۔ اُس کی دُعا سے وہ لکڑیاں سونے کی ہوگئیں۔ اِس کے بعد اُس نے پھر دُعا شروع کی کہ تیرے مقبول بندے چونکہ شہرت سے بھاگتے ہیں اور میری یہ کرامت میری شہرت کا باعث بن جائے گی اِس لئے تُو اِن لکڑیوں کو اصل حالت میں کر دے تاکہ میری شہرت نہ ہو چنانچہ وہ لکڑیاں پھر اصل حالت میں آگئیں۔ اُس کے بعد وہ اپنی لکڑیاں اُٹھا کر چل دیا۔ میں اِس قدر مرعوب ہوا کہ میرے پاؤں نہ اُٹھے۔

یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں عوام کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی اور اگر ہو جائے تو یہ اُن بزرگوں کی کشش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بزرگوں پر قربان ہو جانا چاہیے اور یہ نہ ہونا چاہیے کہ قرب حاصل ہوتے ہوئے گمراہی اِختیار کرلی جائے۔ اُن کی صحبت اور قرب کو اپنے لیے غنیمت سمجھو۔ اُس فقیر کی طرح نہ ہو جاؤ کہ مشہور ہے کسی بادشاہ نے اعلیٰ درجے کے دنبوں کی قربانی کی اور فقرا میں تقسیم کرائی۔ ایک فقیر کو ایک ران ملی۔ اُس نے ایسے فربہ دُنبے کی ران پہلے نہیں دیکھی تھی، وہ بولا: یہ گائے کی ران ہے۔ یعنی اُس نے انعام کو نہ پہچانا اور اُس کی قدر نہ کی۔ صحبت کی قدر و قیمت کو پہچاننا چاہیے۔ اُس کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔ بزرگوں کی صحبت اُن کی کشش سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو ایمان لانے کے لیے بلقیس کی ہجرت میں جلدی کرنے کی ترغیب دینا

کشش بڑی عمدہ چیز ہے۔ بلقیس اور اُس کی قوم کا حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچنا بھی اُن کی کشش کی وجہ سے تھا۔ اُنہوں نے فرمایا: اِس وقت رحمتِ خداوندی کا سمندر جوش میں ہے، جلدی یہاں آکر فیض یاب ہو جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اِس وقت جنت کے دروازے کھلے ہیں اور دعوتِ عام ہے۔ میرا پیش کیا ہوا دین اِختیار کرلو اور سورج پرستی چھوڑ دو۔ قاصدوں سے اُنہوں نے کہا کہ تم بلقیس سے جا کر کہو کہ سب یہاں آجائیں اور سلامتی اِختیار کرلیں۔ جو طالب بھی نہیں ہے وہ بھی آجائے۔ یہاں آکر طلبِ صادق پیدا ہو جائے گی۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے ملک کو خیر باد کہہ دو

اَسْتَعِیْذُ اللہَ مِنْ شَیْطَانِہٖ
میں شیطان سے اپنے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں

قَدْ ھَلَکْنَا آہ مِنْ طُغْیَانِہٖ
آہ! ہم اُس کی سرکشی سے ہلاک ہو گئے ہیں

اور ہمیشگی کی سلطنت حاصل کرلو۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کا سبب اور خراسان کی سلطنت کو چھوڑنا

شاہ ایک رات تخت پر سوئے ہوئے تھے۔ وہ عادل اور منصف تھے اِس لئے مطمئن دل سے سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوئی ڈنکا پیٹنے والے بھی نہیں رکھے ہوئے تھے۔ رباب کی آواز سے اُن کا مقصد وہی تھا جو عُشاق کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ اُس آواز کو اُس وعدے کی یاد دلانے والی سمجھتے ہیں، جو عہدِ الَستْ کہلاتا ہے۔ نفیری اور ڈھول کی آواز اُن کے لئے نفخِ صورِ اسرافیل سے مشابہ تھی۔ حکما نے کہا ہے کہ یہ راگ آسمان کی گردش سے لئے گئے ہیں۔ موسیقی کے بارہ مقام آسمان کے بارہ برجوں سے، سات آوازیں سات سیاروں سے لی گئی ہیں۔ زمین اور آسمانوں کے درمیان ہوا ہے اور سب آوازیں ہوا ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن ہی کی نقل، طنبورے اور گلے (حلق) کے ذریعے کی گئی ہے۔ مومن جانتے ہیں کہ یہ سارے الاپ اور نغمے حورانِ بہشتی کے گانے اور جنت کی نہروں کے چلنے کی آوازیں اور جنت کے درختوں کے ہلنے کی آوازوں سے بنے ہیں۔

ہم اگرچہ جنت میں نہیں تھے کہ وہاں اُن کو سُنتے لیکن چونکہ ہمارے باوا آدم علیہ السلام وہاں تھے اور ہم اُن کے اجزاء ہیں اس لئے ہم نے بھی وہاں سُنے تھے۔ اس آب و گِل کی دُنیا میں رہنے سے ہم جنت کی پوری باتیں بھول چکے ہیں۔ پھر بھی کچھ کچھ یاد کبھی کبھار آجاتی ہے۔ چونکہ وہ نغمے اب ہمارے جسم سے پیدا ہو رہے ہیں، جو آب و گِل سے بنا ہے اس لئے اب اُس زیر و بم سے وہ مستی پیدا نہیں ہوتی جو جنت میں طاری ہوتی تھی۔ جنت کے لحن جب انسان ادا کرتا ہے تو اُس کی مثال یہ ہے کہ پانی اگر پیشاب میں مل جائے تو ظاہر ہے کہ اُس کی پاکیزگی اور لطافت ختم ہوجائے گی۔ پیشاب میں ملے ہوئے پانی میں پانی کے خواص کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتے ہیں۔ اُس کو آگ پر ڈالا جائے تو آگ کو بجھا دے گا۔ اسی طرح اُن لحنوں میں کچھ نہ کچھ اثرات باقی ہیں اور یہ لحن آتشِ غم کو بجھا دیتے ہیں۔ اِن نغموں کا سماع چونکہ وصلِ محبوب کا تصور پیدا کرتا ہے اس لئے یہ عاشقوں کی غذا ہے۔ اگر سامع میں عالی جذبات ہوتے ہیں تو اُن میں اُبھار پیدا ہوتا ہے اور خیال تجسم اختیار کرلیتا ہے۔ عشق کی آگ اُن نغموں سے تیزی پکڑ لیتی ہے جس طرح اُس پیاسے شخص کی پیاس اُن اخروٹوں کے پانی میں گرنے سے تیز ہورہی تھی جو پانی میں گر کر آواز پیدا کررہے تھے۔

یک سگ ست و در ہزاراں می رود
ایک کُتّا ہے اور ہزاروں میں گُھس جاتا ہے

ہر کہ در وے رفت اُو آں می شود
جس میں وہ گُھستا ہے وہ وہی بن جاتا ہے

اُس پیاسے کی حکایت جو اخروٹ گہرے پانی میں پھینک کر پانی کی آواز سے مستی حاصل کر رہا تھا

ایک شخص پیاسا تھا۔ پانی گہرے گڑھے میں تھا۔ یہ پانی تک پہنچ نہیں سکتا تھا تو اُس نے اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اخروٹ توڑ کر پانی میں پھینکنے شروع کر دیئے۔ اخروٹ کے پانی میں گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی تھی وہ اُس سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ ایک عقل مند پاس سے گزرا۔ وہ پیاسے کا منشا نہیں سمجھتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اخروٹ پانی میں ضائع ہو رہے ہیں تو کہنے لگا کہ اخروٹوں کا ضائع ہونا تیری خواہش کو بڑھا دے گا کیونکہ اخروٹ گہرے پانی میں غائب ہو جائیں گے۔ اخروٹ پھینکنے والے پیاسے نے عقل مند سے کہا کہ میرا مقصد اخروٹ توڑنا نہیں ہے۔ غور کر میرا مقصد کوئی اور ہے۔ میں اخروٹ اِس لئے پھینک رہا ہوں تاکہ گرنے سے پانی کی آواز سُن سکوں اور اس کے بُلبلوں کو دیکھ سکوں۔ پیاسے کا یہی شُغل ہوتا ہے کہ وہ حوض کے چکر کاٹے' پانی اور نہر کے چکر لگائے اور پانی کی آواز سُنے اور اُس کا یہ گھومنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حاجی' کعبہ کا یا مرید شیخ کا طواف کرتا ہے۔

جس طرح پیاسے کا مقصود پانی کا طواف اور حاجی کا مقصود کعبہ کا طواف ہے' اِسی طرح مثنوی سے میرا مقصود اے حُسام الدّین رحمۃ اللہ علیہ! تم ہو۔ میری اِس مثنوی کی اِبتداء اور اِنتہاء اور سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ اِس میں تمہاری مدد شاملِ حال ہے اور مجھے اس کی تکمیل میں تمہاری مہربانیوں اور امداد پر بھروسہ ہے۔ اگر تم نے یہ مثنوی پسند کر لی تو میری نصیبہ وری اور عزت افزائی ہوگی کیونکہ تم میرے دل و جان کے سلطان اور شاہ ہو۔ بڑے لوگ ہر اچھی بُری چیز قبول کر لیتے ہیں اور پھر کبھی اُس کو رد نہیں کرتے ہیں۔ اے حُسام الدّین رحمۃ اللہ علیہ! جب تم نے مثنوی کو پودا لگایا ہے تو اب اِس کی آب یاری کرتے رہو۔ میں مثنوی کے ساتھ اس کے الفاظ میں تمہارے راز اور اَحوال بیان کر رہا ہوں۔ اور اس کے بولنے میں میری آواز نہیں بلکہ تمہاری آواز کام کر رہی ہے۔ یہ آواز اگرچہ تمہارے حلقوم سے نکل رہی ہے لیکن دراصل یہ خدائی آواز ہے۔ تم عاشقِ خدا ہو لہٰذا خدا سے کب جدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وہ اِتصال ہے جس کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے اور وہ اِتصال کسی قیاس میں نہیں آسکتا ہے۔ یہ خدائی اِتصال انسانوں کے ساتھ ہے' بن مانسوں کے ساتھ نہیں اور انسان وہی ہے جو اپنے خالق کو پہچان لے۔ بہت سے انسان' شکل سے انسان ہیں لیکن اُن میں انسانیت بالکل نہیں ہے۔ جنگِ بدر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی

عِلّتے بدتر ز پندارِ کمال
کمال کے گھمنڈ سے زیادہ بدتر بیماری

نیست اندر جانت اے مغرورِ ضال
تیری رُوح میں اور کوئی نہیں ہے' اے گمراہ مغرور!

خاک دشمنوں پر پھینکی جس سے وہ مبہوت ہو گئے۔ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا: اے نبی ﷺ! ''وہ خاک تم نے نہیں پھینکی بلکہ ہم نے پھینکی''۔ یہ وہ اتصال ہے جو میں سمجھا رہا ہوں لیکن افسوس تُو جسم بلا رُوح ہے اور مرتبۂ یقین کو نہیں پہنچ سکا ہے۔ (یہاں پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے مُعترضین کو مخاطب کر رہے ہیں) تُو اپنے جسم کی سلطنت کو اِسی طرح خیر باد کہہ دے جس طرح بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر سلطنت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ہر بے ادب کی برداشت اور نرمی اور خاطر تواضع کی راہ اختیار کرنا

ایک طالب اور سالک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر ناگواری کو برداشت کرے۔ جس کو تُو دیکھے کہ وہ کسی دوسرے کی بُرائی اور شکایت کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ وہ خود بدعادت ہے کیونکہ بدگوئی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اچھی عادت تو اُس شخص کی ہے جو بُروں کو برداشت کر لے۔ کبھی شیخ بھی مرید کا شکوہ کرتا ہے لیکن اُس کا شکوہ لڑائی دنگے اور نفس کے تقاضے کی بنیاد پر نہیں ہوتا ہے بلکہ خداوندی حکم سے مرید کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور شیخ کا شکوہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے قوموں کا شکوہ کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا غصہ اور شکوہ خداوندی حکم سے ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے نفسِ امارہ کو مار چکے ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُن کا غصہ نفس کے لئے بھی نہیں ہوتا بلکہ حکمِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ جنگِ احد میں آنحضور ﷺ کو مشرکین نے زخمی کر دیا تو آپ ﷺ نے یہ دُعا فرمائی ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے وہ میرے مرتبے کو نہیں جانتے ہیں''۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو پیغام، ''شرک پر اصرار نہ کر اور جلدی ایمان قبول کر''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو پیغام بھیجا کہ جلدی آ کر مسلمان ہو جاؤ ورنہ خرابی پیدا ہو جائے گی، تیرا لشکر خود تیرا دشمن بن جائے گا بلکہ تیری جان خود تیری دشمن بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُس کا دشمن بن جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ''قومِ عاد آندھی سے ہلاک کر دی گئی'' ایک دوسری جگہ ہے ''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا'' اور فرمایا ''پس اُس کو سمندر نے ڈھانپ لیا'' اور فرمایا ''ہم نے اُس کو اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا'' اور فرمایا ''پھر کر دیا اُن کو جیسے کھایا ہوا بھُس'' حضرت داوٗد علیہ السلام نے تین پتھر دشمنوں کی طرف پھینکے تو اُن کے صد ہا ٹکڑے ہو کر دشمنوں کو لگے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ قومِ لوط کو سنگسار کر دیا گیا۔ قرآن میں ایک اور جگہ فرمایا ''تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں'' اگر تشریح کی جائے کہ جمادات نے انبیاء علیہم السلام کی کیا کیا مدد کی تو مثنوی کی ضخامت

عِلّتِ ابلیس اَنَا خَیْرٌ بُدست
شیطان کی بیماری ''مَیں بہتر ہوں'' تھی

وِیں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست
یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے

چالیس اونٹوں کا بوجھ ہو جائے گی۔ قرآن میں ہے کہ "اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اُن کاموں کی جو انہوں نے کئے"۔

اللہ تعالیٰ کے مخالف کو ڈرنا چاہیے کہ وہ اللہ کی کائنات کے لشکروں میں گھرا ہوا ہے۔ انسان کا ہر ہر جزو اللہ کا لشکر ہے لیکن فی الحال نفاق کی وجہ سے منکروں کا ساتھ دے رہا ہے۔ بیرونی لشکروں کو تو چھوڑ؛ انسان کے جسم کے اندر اللہ نے دشمن امراض کا لشکر چھپا رکھا ہے جو کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے۔ انسان اپنے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے اور دوسروں سے اپنے آپ کو مقبولِ بارگاہ اور مخلوق سے دُور سمجھتا ہے لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے مخلوق سے الگ ہو کر دیکھے پھر اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ مخلوق سے اُس کو کیسا اُنس ہے۔ تُو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ معبود ہے اور تم عابد ہو اور یہ دونوں جُداگانہ چیزیں ہیں۔ یہ غلط خیال ہے۔ تُو خود ذاتِ باری کا مظہر ہے اور حق تعالیٰ اپنی وحدت کے ساتھ تجھ میں ظاہر ہے اور ان مظاہر اور تعینات کی کثرت اُس کی وحدت کے منافی نہیں ہے۔

خود کُوزہ و خود کُوزہ گر و خود گِلِ کُوزہ
خود برسرِ آں کُوزہ خریدار برآمد

"وہ خود ہی کوزہ ہے۔ خود ہی اُس کا بنانے والا اور خود ہی اُس کی مٹی ہے اور خود ہی اُس کوزے کا خریدار بھی ہے"۔

حضرت حق تعالیٰ قائم بنفسہٖ ہے۔ وہی عین موجود ہے۔ باقی نظر آنے والی اور محسوس ہونے والی موجودات اُس کا شئون ہیں اور اس کے ساتھ اُس کی وجہ سے قائم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام ذراتِ عالَم کا اپنی ذات میں مشاہدہ کرتے تھے کیونکہ اُن کی حقیقت تمام حقائقِ الہیہ اور کونیہ کی جامع تھی۔ اُن کی اولاد کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جو کچھ اِس عالَم میں ہے وہ قلبِ انسانی میں اُس کی وسعت کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ موجود ہے۔ انسان خود عالَمِ کبیر ہے اور دُنیا عالَمِ صغیر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس پر واضح کر دیا کہ اُس کو طلب کرنے میں اُن کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہے محض بوجہ اللہ اُس کو طلب کر رہے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر واضح کرنا کہ ایمان کے بارے میں اُن کی کوشش ذاتی غرض سے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کا ایسا رسول ہوں جو لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دے۔ میں شہوت کی بنیاد پر تجھے یہاں آنے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں۔ رسول میں اگرچہ عورتوں کی شہوت ہے لیکن وہ شہوت سے مغلوب نہیں ہوتے

عاقبت بین ست عقل از خاصیت
عقل طبعاً عاقبت بین ہوتی ہے

نفس باشد کو نہ بیند عاقبت
لیکن جو انجام کی طرف نہیں دیکھتا وہ نفس ہے

بلکہ شہوت پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔ میں کسی حسین کی محبت کا قیدی نہیں بن سکتا۔ رسول اگر بُت کدہ میں جاتا ہے تو بُت سَرنگوں ہو جاتے ہیں، آنحضور ﷺ خانہ کعبہ میں گئے تو بُت سَرنگوں ہو گئے۔ ابو جہل جاتا تھا تو خود اُن کے سامنے سَرنگوں ہو جاتا تھا۔ یہ دُنیا شہوت کا گھر ہے اور مومن اور کافر سب اس میں مقیم ہیں۔ شہوت پاک لوگوں کی غلام ہوتی ہے جیسے سونا بھٹی میں جا کر اور چمکدار ہو جاتا ہے۔ کافروں کی مثال کھوٹے اور مُلمع شُدہ شے کی ہے جو کہ بھٹی میں جا کر کالی اور رُسوا ہو جاتی ہے۔ کھرا امتحان میں پڑ کر اور کھرا ہو جاتا ہے اور کھوٹے کا کھوٹ اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ نبیوں کا مادی جسم لوگوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ مومن کا کام نبیوں کی رُوحانی طاقت کو دیکھنا ہوتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے جسم کو دیکھا اور اُن کا منکر بن گیا۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوحانی طاقت اور اَوصافِ خاکی جسم میں نہیں چُھپ سکتے۔ کیا سورج پر خاک ڈالنے سے وہ چُھپ سکتا ہے۔ دریا کی سطح پر اگر گھاس آ جائے تو اُس کا بہاؤ کب چُھپ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تُو بھی ملک اور سلطنت کو خیر باد کہہ دے۔ اِس دنیاوی سلطنت کو پھونک ڈال۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ، خُدا اُن کی رُوح کو تازہ کرے

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت تخت پر سوئے ہوئے تھے کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آوازیں آئیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ انسان کی تو یہ مجال نہیں کہ شاہی بالا خانے پر رات کو چڑھ آئے یہ کوئی بھوت پریت ہو سکتے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا: کون ہے؟ تو اُوپر سے اُن لوگوں نے جھانک کر کہا کہ ہم تلاش میں پھر رہے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا: کیا ڈھونڈتے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا: اپنے اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج تک محل کی چھت پر کسی نے اونٹوں کو تلاش نہیں کیا۔ وہ بولے: اگر اونٹ چھت پر تلاش کرنا غلط ہے تو خدا کو تخت و تاج پر تلاش کرنا کون سی دُرست بات ہے۔

اِس واقعے کے بعد اُن کے دل کے حالات بدل گئے اور وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا لوگوں کی نظروں سے غائب ہونا یہ ہے کہ اُن کے اَوصافِ باطنی اور مَدارج کو لوگ نہ سمجھ سکے۔ اگرچہ وہ اُن کے سامنے تھے۔ اِس لئے کہ ظاہر بینوں کی نگاہ تو محض ظاہر پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے اِستغراق کی وجہ سے دُور ہو گئے تو عنقا کی طرح اُن کی شُہرت ہو گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت سے بلقیس کی رعایا کی مردہ رُوحیں زندہ ہو گئیں اور جسم میں دبی ہوئی رُوح نے سر اُبھارا۔ وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مُبارکباد دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ آسمانی دعوت ہے۔ اِس دعوت کا خاصہ ہی

عقل کو مغلوب نفس اُو نفس شُد
وہ عقل جو نفس سے مغلوب ہو نفس بن جاتی ہے

مُشتری مات زحل شُد نحس شُد
مشتری زحل سے مات کھا جائے تو منحوس ہو جاتا ہے

یہ ہے کہ اِس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے اور تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جو یہ واقعہ ہم نے بیان کیا ہے اِس کی یقینی باتیں تو اللہ کو معلوم ہیں۔ جو کچھ مشہور ہے وہ بیان کر دیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اُس کے حال کے مناسب اور اُس کے ملک والوں کو ہر ایک کی اِستعداد کے مطابق رہنمائی کی۔ شکاری جس قسم کے پرندوں کا شکار کرتا ہے اِسی قسم کی سیٹی بجا کر اُن کو جمع کرتا ہے اور اُن کے حال کے مناسب دانہ ڈالتا ہے۔ دعوتِ سلیمانی کا یہ اثر ہوا کہ جو اجسام رُوحوں سے خالی تھے اُن میں بھی رُوحوں نے ہلچل مچا دی اور وہ اجسام رُوحانیت کے غلبے سے اَرواح بن گئے۔ اِسی طرح عاشق، عوام میں چُھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ لوگ سخی کو عام طور پر فضول خرچ کہتے ہیں اور اُس کی سخاوت سے اُس کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں۔ اِس طرح اُن کی نظروں سے اُس کی سخاوت پوشیدہ رہتی ہے۔ جب تک رُوح جسم میں دبی ہوئی ہے وہ ذلیل ہے لیکن جب رُوح کا غلبہ ہو جاتا ہے تو جسم میں بھی شرافت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما　(حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

”جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے ہوں“۔

اللہ نے سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ لوگوں کو اُن کی اِستعداد کے مطابق تعلیم دو۔ جو لوگ جبر کے لائق ہیں اور ترکِ عمل کر بیٹھے ہیں اُن کو عقیدے کا نقصان سمجھا دو۔ وہ لوگ جو ناقص اِختیار کے قائل ہیں اُن کو صبر عَنِ المَعاصی کی تعلیم دو۔ جو لوگ عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں اُن کو عالمِ غیب کی باتیں بتا۔ جو لوگ نور سے محجوب ہیں اُن کو نور عطا کر۔ لڑنے والوں کو صلح پر آمادہ کر اور اہلِ حق اگر غلط بحثوں میں پڑے ہیں تو اُن کو راہِ حق کی علامات دکھا دے۔ غرض کہ ہر ایک کی اُس کے مناسبِ حال اِصلاح کر دے۔ دعوتِ سلیمانی ملنے پر بلقیس بھی ایمان کے شوق سے مَست ہو گئی اور اپنے ملک اور مملکت کی ہر چیز کی محبت دل سے نکال دی البتہ اُسے اپنے تختِ شاہی سے جو بہت قیمتی تھا تعلق خاطر رہا۔ اُس ملک میں سب لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائے البتہ وہ لوگ جن میں اِستعداد اور قابلیت ہی نہ تھی وہ محروم رہے۔ میرے کلام سے کہیں یہ شُبہ نہ ہو کہ وحی میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ بدفطرت کو متاثر کر سکے بلکہ وہ بھی اگر توجہ کرے اور طلب پیدا کر لے تو خدا اُس کی بھی مدد کرتا ہے اور اُس میں صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔

بلقیس اِس دعوت کے بعد مال و دولت سے ایسی بے نیاز ہوئی جس طرح عاشق نام و ننگ سے بے نیاز ہو جاتا

عقل با عقلِ دگر دُوتا شود　　نُور افزوں گشت و رَہ پیدا شود
عقل دُوسری عقل کے ساتھ مِل کر دوگنی ہو جاتی ہے　　روشنی بڑھ جاتی ہے اور راستہ نمایاں ہو جاتا ہے

ہے۔ جن غلاموں اور کنیزوں کو اُس نے ناز سے پالا تھا وہ اُس کے لئے سڑی ہوئی پیاز بن گئیں۔ تفریح کے تمام اسباب اُس کے لئے باعث تکلیف بن گئے۔ عشق اور غصہ کی خاصیت یہی ہے کہ جو چیزیں محبوب ہوتی ہیں اس حالت میں مردہ بن جاتی ہیں یعنی جب انسان لَآ اِلٰہَ کا قائل ہو جاتا ہے تو اُس کے لئے غیر اللہ ہیچ ہو جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کا حقیقی اثر یہی ہے کہ ماسوی اللہ نظروں میں بے وقعت ہو جاتا ہے۔

بلقیس کو سلطنت کی کسی چیز کو چھوڑنے کا افسوس نہ تھا۔ ہاں البتہ اپنے تخت کے چھوڑنے کا افسوس تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کی اس کیفیت سے باخبر ہو گئے چونکہ دل سے دل تک راہ ہو چکی تھی اور باہمی تعلق اُستوار ہو چکا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دُور سے چیونٹی کی آواز سُن لیتے تھے اور دُور سے انسانوں کے دلی راز سمجھ لیتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ جب چیونٹیوں کے جنگل میں حضرت سلیمان پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ تمہیں سلیمان علیہ السلام اور اُس کا لشکر پامال نہ کر دے تو حضرت سلیمان علیہ السلام اُس کی بات سُن کر ہنس پڑے۔

اگر میں اس کی تفصیل بیان کروں کہ بلقیس کو تخت سے کیوں محبت تھی تو گفتگو دراز ہو جائے گی لیکن پھر بھی مجملاً بیان کرتا ہوں۔ قلم' کاتب کا آلہ ہوتا ہے اور وہ اُس کے لئے باعث محبت ہوتا ہے۔ ہر کاری گر کا آلہ اُس کے لئے مُونس ہوتا ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلقیس اپنے تخت کو ساتھ لے آتی لیکن چونکہ اُس کی لمبائی چوڑائی بہت زیادہ تھی' اس کو منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ اِس کو ٹکڑے کر کے اس وجہ سے نہیں لایا جا سکتا تھا کہ اُس پر بہت نازک اور باریک کام تھا جو کہ خراب ہو جاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر بلقیس کے قلب کی حالت واضح ہو گئی تو اُنہوں نے سوچا کہ رُوحانی عروج کے بعد تخت وغیرہ کی محبت مِٹ جائے گی۔ لیکن فی الحال چونکہ اُس کو تخت کے رہ جانے کا رنج ہے' اس لئے اُس کو منگوانا چاہیے۔ فنا کے بعد جب بقا حاصل ہو جاتی ہے تو تمام مادیات بے وقعت ہو جاتی ہیں۔ جب سمندر میں سے انسان کو موتی حاصل ہو جاتا ہے تو انسان اُس کے خس و خاشاک کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

بلقیس کا تخت سے محبت کرنا اگرچہ بچگانہ فعل تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ پھر بھی اُس کا تخت منگوانا چاہیے تاکہ یہ تخت اُس کی جان کے لئے عبرت بن جائے۔ جیسے ایاز کے لئے اُس کی گدڑی اور چپل کہ اُن کو دیکھ کر وہ اپنی پہلی حالت یاد کرتا تھا۔ وہ یاد کیا کرے گی کہ اُس کی پہلی حالت کس قدر خراب تھی کہ وہ تخت جیسی چیزوں سے محبت کرتی تھی اور دُنیا کے خرافات میں پھنسی ہوئی تھی اور اب رُوحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے مراتب بیان فرما کر ظاہر فرمایا ہے کہ انسان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہاں سے

ظلمت افزوں گشت و رہ پنہاں شود	نفس با نفس دگر دو تا شود
اندھیرا بڑھ جاتا ہے اور راہِ حق چھپ جاتا ہے	نفس بھی دوسرے نفس سے مل کر دوگنا ہو جاتا ہے

کہاں پہنچا دیا۔ اُس کی ابتداء تو اُن چیزوں سے ہے کہ جن کا نام لینے سے بھی اُسے شرم آتی ہے۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ انسان کو اللہ نے مٹی سے بنایا ہے۔ پھر اُس کو نُطفہ کیا پھر علقہ اور پھر مُضغہ بنایا اور پھر ہم نے اُسے نئی صورت عطا کی۔ انسان زبانِ حال سے اپنی ابتدائی حالت سے ترقی کرنے کا منکر تھا۔ انسان کو اس قدر فضیلت دینا اُس انکار کا دفیعہ ہے جو اُس کی فطرت کر رہی ہے۔ جس چیز کو انسان اپنے موافق سمجھے ہوئے تھا وہی حقیقت معلوم ہونے پر اُس کے مخالف پڑی۔

یہ ہماری حیات اور اِستعداد صرف اللہ کی قدرت سے آئی ہے۔ انسان اِبتدا میں نُطفہ تھا لیکن آج وہ اس حالت میں ہے کہ حشر و نشر کا انکار کر دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے تو دوبارہ اُس کا حشر نشر اللہ کی قدرت سے کیسے باہر ہو سکتا ہے؟ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ جمادیت سے اِس مرتبے پر پہنچا ہے کہ اُس میں انکار کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو اُس کی انکار کی یہ صلاحیت اِس بات کی دلیل ہے کہ تیرا (اُس کا) دوبارہ حشر ہو گا۔ انسان بننے تک مختلف مراتب تک اللہ کی کس قدر کاری گریاں ہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے حشر کا انکار کب تک اور کیسے ہو سکے گا۔ آب و گِل کا مرتبۂ انکار تک ترقی کرنا خود حشر کے انکار کی نفی کرتا ہے۔ گھر کے اندر سے خود اپنے اندر نہ ہونے کی خبر دینے کو خبر دینا نہیں سمجھ رہا ہے۔ اِس معاملے میں اور بہت سے دلائل دیے جا سکتے ہیں لیکن اس میں کم فہموں کے لئے لغزش کا خطرہ ہے اِس لئے خاموشی بہتر ہے۔ اب بلقیس کے تخت کے منتقل ہونے کی بات پھر شروع کرتے ہیں۔

بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سُلیمان علیہ السلام کا تخت حاضر کرنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں فرمایا کہ بلقیس کے تخت کو فوراً یہاں حاضر کرو۔ ایک جن نے کہا: میں آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ تخت یہاں حاضر کر دوں گا۔ حضرت آصف برخیا جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیرِ اعظم تھے بولے: میں اِسمِ اعظم کی برکت سے فوراً وہ تخت حاضر کر دوں گا۔ اگرچہ وہ جن بھی جادو کا اُستاد تھا لیکن تخت کی آمد حضرت آصف کے دَم کرنے کی برکت سے ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس نعمت اور دوسری نعمتوں کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی۔ چونکہ وہ تخت لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے اُسے لکڑی کے نام سے مخاطب کیا اور فرمایا کہ تُو احمقوں کو اپنی محبت میں پھنساتا ہے۔ احمق لوگ تراشیدہ لکڑی اور پتھر کے بتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہ بُت کے پجاری اور بُت دونوں رُوح سے بے خبر ہیں۔ کبھی کبھی ان بتوں میں رُوح کا تھوڑا سا اثر آ جاتا ہے جس کی وجہ سے کبھی اُن سے حرکت یا کسی بات کا صدور ہو جاتا ہے۔ بُت پرست

بُت شکستن سہل باشد نیک سہل	سہل دیدن نفس را جہل ست جہل
بُت توڑنا، آسان اور بہت آسان ہوتا ہے	لیکن نفس کے معاملہ کو آسان سمجھنا نادانی ہی نادانی ہے

لوگ عبادت کی بازی بے موقع کھیلتے ہیں اور پتھر کے بُت کو حقیقی شیر سمجھ بیٹھتے ہیں۔ کبھی کبھی شیرِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے اِستدراج کے لئے بتوں سے بھی اِس طرح کی کرامات ظاہر کرا دیتا ہے۔ اللہ ربُّ العالمین ہے لہٰذا کتوں کو بھی غذا مہیا فرما دیتا ہے اور بتوں میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا بُتوں سے مدد چاہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بُتوں کا سجدہ کرنا

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔ اُنہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دادا کو دینے کے لئے مکّے آئیں، وہ انہیں حرمِ کعبہ میں حطیم میں لے گئیں۔ وہیں اُنہوں نے آواز سُنی کہ اے حطیم! تجھ پر آج بہت بڑی مہربانی ہوئی ہے۔ آج تجھ پر نور کی سخاوت ہوگی اور تُو آج بالائی رُوحوں کی منزل بنے گا۔ اس سے پہلے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شقِ صدر کا واقعہ ہو چکا تھا۔ اس لئے بہت خائف رہتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سخت نگرانی کرتی تھیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ آواز سنی تو بہت حیران ہوئیں کہ وہاں کسی طرف کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ آواز کی جستجو میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود سے اُتار کر زمین پر بٹھا دیا اور آواز کی تلاش میں اِدھر اُدھر گئیں، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اَسرار کھل رہے تھے۔ ہر طرف سے بلند آوازیں اُن کے کانوں میں آ رہی تھیں لیکن آواز دینے والا کوئی نہ تھا۔ وہ حیران تھیں اور کسی کو وہاں نہ پا کر بچّے کی طرف لوٹیں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر نہ پایا۔ وہ غم میں اِدھر اُدھر تلاش میں دوڑیں، روئیں، چیخیں کہ میرا موتی کون لے کر گیا۔ مکّے والے بولے کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ یہاں کوئی بچہ تھا بھی کہ نہیں۔ اُنہوں نے اِس قدر آنسو بہائے کہ دوسرے لوگ بھی اُن کے غم میں رونے لگے۔ وہ غم میں رونے لگیں۔ ایک بوڑھا عرب لاٹھی پکڑے ہوئے سامنے آیا اور اس غم اور رونے کی وجہ دریافت کی۔

اُنہوں نے بتایا کہ میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ ہوں اور اُنہیں اُن کے دادا کے سُپرد کرنے لائی تھی۔ حطیم میں مجھے عجیب آوازیں سُنائی دیں۔ بچّے کو چھوڑ کر آواز کا پیچھا کیا لیکن بے سود۔ واپس آئی ہوں تو بچّہ غائب ہے۔ میں اِس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں کہ آج اُس اعتماد کو ٹھیس لگ گئی جو مجھ پر کیا گیا تھا۔ بوڑھا بولا: بیٹا! غم نہ کر۔ میں تمہیں اُس شاہ کے پاس لے چلتا ہوں جو بچّے کے بارے میں بتا دے گا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا بولی: اے اچھی آواز والے بزرگ! میں تم پر قربان، مجھے فوراً اُس شاہ کے پاس لے چل جسے میرے بچّے کی خبر ہو۔ وہ بوڑھا اُسے مکّے کے مشہور بُت عُزّیٰ کے سامنے لے گیا اور کہا کہ ہم نے اپنے بہت سے گمشدہ اس کے ذریعے پائے ہیں۔ بوڑھے نے اُسے سجدہ کیا اور کہا کہ اے عرب کے خدا!

ہر نفس مکرے و دَر ہر مکر زاں
(اس نفس کے ہر سانس میں ایک مکر ہے اور اسکے ہر مکر میں)

غرق صد فرعون با فرعونیاں
(سَو فرعون، فرعونیوں کے ساتھ غرق ہیں)

ہم نے تیری وجہ سے بہت سی ہلاکتوں سے نجات پائی ہے' تیری مہربانیاں عرب پر بے شمار ہیں اور تیرا حق ادا کرنا عرب والوں پر فرض ہو گیا ہے۔ یہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تیری اُمید پر اپنے گمشدہ بچے کو حاصل کرنے آئی ہے۔ اُس کا نام محمد ﷺ ہے۔ جونہی اُس نے یہ نام لیا تمام بُت اوندھے منہ گر پڑے اور کہا: اے بوڑھے! اس بچے کی تلاش کیوں کرتا ہے' جس کی بعثت ہماری معزولی کا سبب ہے۔ جو واقعات بُت پرستوں نے ہمارے متعلق دیکھے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور اس نام والے کی وجہ سے ہماری شان و شوکت ختم ہو چکی ہے۔ خدا کے لئے یہاں سے دفع ہو جا۔ کوئی انسان اژدہے کی دُم کو مسلے تو یہ خطرناک ہوتا ہے۔ اب حضور ﷺ کی آب و تاب کے سامنے ہماری شان ماند پڑ جائے گی۔ بوڑھے نے بُت کی یہ باتیں سُن کر گھبرا کر اپنی لاٹھی پھینک دی۔ وہ کانپنے لگا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بولیں: اے بوڑھے! اگرچہ اس وقت میں مصیبت میں ہوں لیکن حیرت میں گم ہوں۔ کسی وقت ہوا مجھ سے باتیں کرتی ہے' پتھر ادب سکھاتے ہیں' کبھی اس بچے کو غیبی لوگ اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں کس سے فریاد کروں؟ میں پریشان ہو گئی ہوں۔ غیبی حالات اور واقعات کو میں راز میں رکھنا چاہتی ہوں۔ بس اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہو گیا ہے میں اور کوئی بات کروں گی تو لوگ مجھے پاگل سمجھیں گے۔ بوڑھا بولا: اے حلیمہ (رضی اللہ عنہا)! اُن کی طرف سے فکر نہ کر۔ وہ گم نہیں ہوں گے بلکہ عالم اُن کی عظمت میں گم ہو جائے گا۔ تُو نے نہیں دیکھا کہ یہ عظیم بُت تیرے بچے کے نام سے سرنگوں ہو گئے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا عجیب واقعہ نہیں دیکھا۔ اُن کی رسالت تسلیم نہ کرنے والوں کا انجام بُرا ہوگا۔ جب بتوں کا یہ حال ہوا ہے تو اُن کو پوجنے والوں کا تو بہت ہی بُرا حال ہوگا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی رونے کی آواز دُور دُور تک جا رہی تھی۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آواز سُن کر فوراً سمجھ گئے کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ وہ بھی غم کی سوزش لئے ہوئے کعبہ کے دروازے پر آ گئے اور کہا کہ مجھ میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جس کی وجہ سے میں تیرا ہمراز بنوں۔ میں نے آنحضور ﷺ کے چہرے پر تیری مہربانی کے آثار دیکھے ہیں۔ اگرچہ وہ ہمیں سے ہیں لیکن یہ آثار ہم میں سے کسی کے اندر نہیں ہیں۔ اُن کو بچپن میں ہی جو فضیلت تُو نے عطا کر دی ہے' وہ سو سال کے مجاہدے سے بھی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں اُن ﷺ کو سفارشی بناتا ہوں۔ اُن کے طفیل اُن کا حال ہمیں بتا دے کہ وہ کہاں ہیں؟ اُنہیں کعبہ کے اندر سے جواب ملا کہ تم عنقریب اُن کا چہرہ دیکھ لو گے۔ دو سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ہم اُن کے ظاہر کو عالم میں مشہور کر دیں گے اور باطن کو سب سے پوشیدہ رکھیں گے۔ پانی اور مٹی سے اللہ نے جو مخلوق بنائی ہے اس کے مختلف مراتب ہیں۔ کبھی ہم اُس سے ایسا شاہ پیدا

ترکِ لذتہا و شہوتہا سخاست	ہر کہ در شہوت فرو شد بر نخاست
لذتوں اور شہوتوں کو چھوڑنا ایک سخاوت ہے	جو شخص ان میں ڈوبا پھر نہ اُبھر سکا

کر دیتے ہیں اور کبھی اُس کو خدا کے سامنے عاشق بنا دیتے ہیں۔ اِس خاک سے لاکھوں عاشق اور معشوق پیدا کیے جاتے ہیں، جو عشق کی وجہ سے نالہ و فریاد میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے یہ کارنامے منکروں کے انکار کے باوجود جاری ہیں۔ مٹی کو یہ فضیلت ہم نے اُس کی فروتنی کی وجہ سے دی ہے کہ اس طرح کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا ظاہر غبار آلود ہے لیکن اُس کا باطن پُر انوار ہے جس سے لالہ و گل رونما ہوتے ہیں۔ زمین کا ظاہر پتھر لیکن باطن موتی ہے۔ اس کی ظاہری صورت باطنی خصوصیت کو چھپائے ہوئے ہے اور منکر ہے لیکن اس کا باطن پُر کمالات ہے۔

ظاہر اور باطن کی یہ جنگ جاری ہے۔ کبھی ظاہر کو غلبہ ہو جاتا ہے، کبھی باطن فتح حاصل کر لیتا ہے۔ بدصورت مٹی سے حسین و جمیل مخلوق کا پیدا کرنا اِس کے باطنی حُسن کا اظہار ہے۔ زمین بظاہر روتی ہوئی صورت ہے لیکن باطن میں مسرتیں موجزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے چھپے رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اللہ آزمائش میں ڈال کر انسانوں کی باطنی خوبیاں واضح کر دیتا ہے۔ زمین نے بہت سے باکمال فرزند جنے ہیں لیکن سیّد الانبیاء ﷺ جیسا کوئی نہ جنا۔ زمین اور آسمان کے ملاپ سے جب سید الکونین ﷺ کا ظہور ہوا تو دونوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ کی پیدائش سے زمین کو عروج حاصل ہوا کیونکہ جس کا ظاہر اور باطن خدا کے لیے باہمی جنگ میں ہو اس کی رُوح پُر نور ہوتی ہے اور اُس کا نور ناقابلِ زوال ہوتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کے بارے میں معلوم کرنا اور کعبہ سے جواب آنا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بچہ اس وقت کہاں ہے؟ انہیں آواز آئی کہ غم نہ کرو وہ فلاں میدان میں درخت کے نیچے ہیں۔ وہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لئے اُن کی تلاش میں چلے۔ گو اُن کے تمام آباؤ اجداد آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سردار ہوئے لیکن حضور ﷺ کے ذاتی فضائل کے مقابلے میں نسبی فضیلت ہیچ ہے۔ حضور ﷺ کا اصلی جوہر نسب سے بے نیاز ہے۔ وہ خیر الخلائق پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ کی جانب سے تو معمولی انعام بھی سورج سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو ایمان کی دعوت دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغام دیا کہ اے بلقیس! اُٹھ اور اللہ کی سلطنت کو دیکھ۔ تیری بہنیں جو مقربانِ بارگاہِ خداوندی ہیں (جیسے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں) کیا سلطنت کر رہی ہیں۔ تیری بہنیں یہاں عیش و مستی میں ہیں۔ اُٹھ نیک بختی کی یاد بن جا اور سباء کی سلطنت سے بیزار ہو جا۔

ایں سخا شاخیست از سروِ بہشت	وائے اُو کز کف چنیں شاخے بہشت
یہ سخاوت جنت کے درخت کی شاخ ہے	جو اس شاخ کو چھوڑ دیں اُن پر افسوس ہے

انسان کی دنیا میں قانع ہونے اور دنیا کی طلب میں حرص، اور روحانیوں کا نعرہ

دنیا دار کی مثال اُس گلی کے کتے کی سی ہے جو اچھے شکاروں کو چھوڑ کر گدا اور فقیر پر لپکتا ہے۔ ایک کتے نے گلی میں اندھے فقیر پر حملہ کر کے اُس کی گدڑی پھاڑ دی۔ اندھے نے کہا کہ تیرے دوسرے ساتھی تو پہاڑ پر گورخر کا شکار کر رہے ہیں اور تُو اندھے پر جھپٹتا ہے۔ اے تنفر شیخ! اپنے مکر کو چھوڑ دے۔ تُو خود کھاری پانی ہے۔ تُو نے اندھے مریدوں کو اپنے چاروں طرف جمع کر لیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ باطنی کمال حاصل کر اور اُس کے ذریعے مریدوں کو فیض پہنچا۔ مردانِ حق غیبی فیوض سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اور تُو مریدوں کو لوٹنے میں لگا ہوا ہے۔ حقیقی مشائخ تو صرف طالبِ خدا ہیں اور وہ مجسم شیر ہیں اور صرف شیر کا شکار کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں اور اُن کو عشق میں فنا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے ذریعے اُن کے ہم جنسوں کا شکار کرتا ہے۔ جیسے شکاری مردہ جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر اپنے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ اُس کے ذریعے اُس کے ہم جنسوں کا شکار کریں، بزرگ بھی مردہ بن کر شکار کرتے ہیں۔ مردہ جانور بالکل شکاری کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اُسی طرح بزرگ مردہ بن کر اللہ کے اختیار کے تحت ہو جاتے ہیں، جیسے کہ حدیث ہے کہ "دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اللہ جس طرف چاہتا ہے اُسے پلٹ دیتا ہے"۔ مردہ جانور کے ذریعے جو شکار ہو وہ دراصل شکاری کا شکار بنتا ہے۔

فانی فی اللہ شیخ کہتا ہے کہ بظاہر میرے مُردار ہونے کو نہ دیکھ۔ خدائی عشق مجھے نجس ہونے سے بچائے ہوئے ہے۔ فقر و فنا کی وجہ سے میں مُردے کی صورت میں ہوں۔ حرکت جو کہ زندگی کا اثر ہے وہ پہلے میرے ارادہ سے تھی اب دستِ قدرت کے ذریعے ہے۔ جب انسان فرائض اور نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اُس کے تمام اَفعال اللہ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں اور فقراء کا انتقام بڑے سے بڑے انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ فانی فی اللہ کے اَفعال کا صدور دستِ قدرت خود کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردے کو زندہ کر لیتے تھے۔ اُن کا خالق، مُردے کو کیسے نہ زندہ کر دے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات بخشی کا انکار بھی جائز نہیں ہے۔

انسان اپنے تمام اَفعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر بن جاتا ہے۔ وہ لاٹھی جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے اُسے اکیلا نہ سمجھ کیونکہ بغیر خدا کے ہاتھ کے لاٹھی ایسی نہیں ہوتی۔ طوفانِ نوح علیہ السلام، قومِ ہود اور عاد کی آفتیں بھی اللہ کی لاٹھی ہی تھیں۔ مچھر بھی نمرود کے مقابلے میں لاٹھی ہی تھا۔ اگر میں خدائی لاٹھیوں یعنی عذاب کا ذکر کروں تو فرعون کی مکاریوں کا

داں عمارت کردنِ گور و لحد
قبر کی تعمیر اور لحد کی رونق

نے بسنگ ست و نہ چوب و نے لبد
صرف پتھروں، لکڑیوں اور قبوں یا سجادوں سے نہیں

پردہ چاک کردوں۔ فرعونوں کو دنیاوی لذتوں میں جو کہ حقیقتاً زہر ہیں مبتلا رہنے دو۔ نظامِ قدرت کی بقا کے لئے گنہگاروں کی بھی ضرورت ہے۔ آخر جہنم کی خوراک کی بھی تو پرورش ضروری ہے۔ قرآن میں ہے "اے نبی ﷺ! اُن کو چھوڑے رکھو۔ وہ کھاتے اور نفع اُٹھاتے رہیں اور اُن کو تمنا غفلت میں ڈالے رکھے پھر عنقریب وہ جان لیں گے" دوزخ کے کتے اُن کے دوزخ میں منتظر ہیں۔ غصہ کی بقا کے لئے مخالفت اور دشمنی کا وجود ضروری ہے ورنہ غصہ مرجائے گا۔ (صفتِ قہر) دوزخ' اللہ کے غصے کا مظہر ہے اس کے اظہار کے لئے دشمنوں کی ضرورت ہے اگر اللہ کی صفتِ غضب نہ رہے تو دوزخ ٹھنڈی ہو جائے۔ اگر صرف صفتِ رحمت ہی ہو اور صفتِ غضب نہ ہو تو بادشاہی کا کمال نہیں ہے۔ لہٰذا الوہیت کے لئے دونوں صفتوں کی ضرورت ہے۔ منکر اہلِ ذکر کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ تو بھی اگر چاہے تو مذاق اُڑا لے اور پھر دیکھ انجام کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کے ذکر سے محبت رکھتے ہیں اور اس دَر کی نیازمندی اختیار کیے ہوئے ہیں' وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔

ہر ترکاری اپنی کیاری میں پرورش پاتی ہے اور سیرابی حاصل کر کے پختہ ہوتی ہے۔ مخلص کا منافق کے ساتھ میل جول نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے مسلک پر قائم رہ کر پختگی پیدا کر تاکہ اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے۔ زعفران کو اپنی کیاری میں رہنا چاہیے' شلجم کی کیاری کا رُخ کرے گا تو اس میں بھی شلجم کی سی خاصیت آجائے گی۔ اللہ نے مومن کا اور منافق کا مقام الگ الگ بنایا ہے۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اس لئے خلط ملط ہونے کی ضرورت نہیں۔ عالمِ غیب کی زمین تو اس قدر وسیع ہے کہ اس میں تو دیو اور پری بھی راستہ بھول جاتے ہیں۔ عالمِ غیب کے سمندروں' جنگلوں اور پہاڑوں کی وسعت تک تو وہم وخیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ دنیاوی زمین کی کائنات اِس غیب کی زمین کے اعتبار سے ایسی ہے جیسا کہ بحر و بر کے مقابلے میں ایک بال۔ سالک کے باطن کا رُکا ہوا پانی جس کا بہاؤ پوشیدہ ہے' جاری پانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ سالک کی سیر' رُوح کی سیر کی طرح مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے۔ چونکہ سامعین کی توجہ نہیں ہے۔ اس لئے فنا کے مقام کی باتیں بند کردو۔ ورنہ نقش برآب ہوں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا بقیہ قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو عمل کی دعوت دی اور فرمایا کہ بدکرداروں کی محبت سے بچ۔ انسان جب تک زندہ ہے بااختیار ہے۔ عالمِ آخرت کی شاہی لازوال ہے اور وہاں صرف نیاز کام آتا ہے۔ جو شخص ناپائیدار حکومت سے دست بردار ہو کر ابدی سلطنت حاصل کر لے وہ مبارکباد کے قابل ہے۔ تیری بہنوں

بلکہ خود را در صفا گورے کنی | در منئ اُو کنی دفنِ منی
بلکہ اپنی قبر دل کی صفائی میں بنا | اپنی خودی کو اللہ کی خودی میں دفن کرے

نے پختگی کی سلطنت حاصل کر لی ہے اور تُو اپنی بے نور حکومت سے چمٹی ہوئی ہے۔

جس نے سلطنت حاصل کر لی ہے وہ اپنے باطنی کمالات کے باغ میں بیٹھا ہوا ہے لیکن بظاہر ملنے والوں کو وہ ایک کانٹا نظر آتا ہے۔ اُس کا باطنی باغ (مشاہدہ) ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن وہ باغ عوام کی نظروں سے مخفی ہے۔ وہ خود اس باغ کے پھلوں سے نفع اندوز ہے اور اس باغ کی نہروں سے آبِ حیات پی رہا ہے۔ اس دُنیا کی سَیر کو چھوڑ اور رُوحانی سَیر کر جس کے لئے پاؤں اور بال و پر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معارف خداوندی سے لذّتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس خوراک کے لئے لُقمے چبانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عالَمِ ملکوت میں تُو خود ہی ملکہ ہوگی۔ خود ہی لشکر اور تختِ شاہی ہوگی۔ تُو خود ہی نصیب ہوگی اور خود ہی نیک بخت ہوگی۔ اس عالَم میں اگر تُو نصیبہ ور بھی ہے تو بخت اور چیز ہے اور تُو اور چیز۔ اس مُغائرت کی وجہ سے کسی وقت بھی تیرا تخت تجھ سے جدا ہو سکتا ہے اور تُو فقیر بن سکتی ہے۔ جب تجھ میں اور نصیبہ میں اِتحاد ہو جائے گا تو پھر بخت کو تُو کبھی گم نہیں کرے گا کیونکہ کوئی اپنے آپ کو کب گُم کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قِصّہ چل رہا تھا کہ درمیان میں بلقیس کا ذکر آ گیا۔ بہر حال وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آ کر ایمان لے آئی۔ اب بقیہ قِصّہ سنو۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا مسجدِ اقصٰی کو حکمتوں کی وجہ سے خُدا کی تعلیم اور وحی کے ذریعہ تعمیر کرنے کا بقیہ قِصّہ، فرشتوں، جنّوں اور پریوں کی مدد

جب بلقیس کو دعوت کی تکمیل ہو گئی تو انہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بلقیس اور اُس کا لشکر عبادت کرنے لگے ہیں۔ اب ایک وسیع مسجد کی ضرورت ہے۔ اُنہوں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور تمام جن و اِنس تعمیر کے کام میں لگ گئے۔ کچھ لوگ دل و جان سے کام کر رہے تھے اور کچھ بددل سے تھے جیسا کہ عبادات میں انسانوں کا حال ہے۔ جس طرح مسجد کے کام میں جن لگے ہوئے تھے اسی طرح ہر انسان کو دیو سمجھو اور ان کا قلبی رُجحان اُن کے لئے بمنزلہ زنجیر کے ہے۔ وہ اسی زنجیر کے ذریعے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہیں۔ خواہشِ نفسانی کی زنجیر دنیاوی معاملات میں کامیابی حاصل کرنے کی تگ ودو کی طرف کھینچتی ہے۔

زنجیریں دو قسم کی ہیں ایک ڈر کی اور دوسری عشق کی۔ دُنیا کے لوگوں کو تُو بے زنجیر نہ سمجھ۔ یہ کسی نہ کسی زنجیر سے ضرور بندھے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "نہیں کوئی زمین پر چلنے والا مگر اللہ تعالیٰ اُس کی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی
اگرچہ تُو اندر سے لوہے کی طرح کالا ہے

صَیقلی کُن، صَیقلی کُن، صَیقلی
صیقل کر صیقل کر صیقل کر اور غیبی صورتوں کو دیکھنے لگ جا

ہے" وہ مخفی زنجیر انسان کو مختلف کاموں کی طرف کھینچتی ہے۔ قرآن میں ابولہب کی بیوی کے بارے میں ہے کہ "اُس کے گلے میں مونجھ کی رسّی ہے"۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ رسّی خواہشاتِ نفسانی کی رسی ہی تو ہے۔ ہر شخص کے اخلاق کے مطابق رسّی اُس کے گلے میں ہے۔

انسان کی حرص اُس کے بُرے اعمال کو خوشنما کر کے پیش کر دیتی ہے۔ کوئلہ کالا ہوتا ہے' آگ اُسے سُرخ بنا دیتی ہے۔ جب آگ کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو پھر کالا پَن نمودار ہو جاتا ہے۔ بُرا عمل حرص کی وجہ سے حسین نظر آتا ہے۔ جب حرص کی آگ دُور ہو جاتی ہے تو اُس عمل کی بُرائی نظر آنے لگتی ہے۔ جو شخص کچے پھل کو پختہ سمجھے گا وہ احمق ہے۔ انسان میں حرص جال کو دانے کے طور پر دکھا دیتی ہے۔ ہاں کارِ خیر میں اگر حرص ہو اور وہ حرص جاتی بھی رہے تو بھی وہ عمل بہتر ہی دکھائی دے گا۔ دنیاوی کاموں میں لالچ کی چمک ہٹ جانے کے بعد اُن کاموں کی بدنمائی واضح ہو جاتی ہے۔ بچہ گھوڑے کی حرص میں اپنے دامن کو گھوڑا بنا کر سوار ہو جاتا ہے۔ جب بڑا ہو جانے پر وہ حرص ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہی بچہ دوسرے بچوں کی اس حرکت پر ہنستا ہے۔ غرض کہ انسان کی حرص اور لالچ بُرے کو بھلا دکھاتی ہے۔ ہر کہ شہد نظر آنے لگتا ہے۔

جو تعمیر انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں اُس میں چونکہ کوئی حرص اور طمع شامل نہیں ہوتا اس لئے اُن کی تعمیروں کی رونق میں اِضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے بھلے لوگوں نے بھی مسجدیں بنائیں لیکن اُن کو وہ مرتبہ حاصل نہ ہوا جو مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔ کعبے کی روز افزوں عزت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے اخلاص سے مسجد حرام کی تعمیر کی تھی۔ کسی حرص یا کسی سے مقابلے میں تعمیر نہیں کی تھی۔ انبیا کی ہر چیز انوکھی ہوتی ہے۔ ہر نبی کو اللہ نے وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ جس میں لاکھوں حشمتیں اور عزتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ ہر نبی کسی خاص الٰہی صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اُن حضرات کے فضائل بیان کرنے سے بھی دل اس خوف سے لرزتا ہے کہ اس میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ چونکہ میں کما حقہٗ اُن کی تعریف نہیں کر سکتا اس لئے میری یہ تعریف ناقص ہے۔

درمیان میں اور باتیں آ گئیں اب ہم پھر مسجدِ اقصیٰ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر میں دیو اور پریاں مصروفِ کار ہیں۔ اگر وہ سرکشی کرتے ہیں تو فرشتے اُن کو سزا دیتے ہیں۔ اے مخاطب! تُو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح بن جائے تو جن اور پریاں تیرے بھی خدمت گار بن جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام' جنوں پر ایک انگوٹھی کی تاثیر سے حکومت کرتے تھے۔ صخر نامی ایک جن نے وہ انگوٹھی چُرا لی تھی اور اُس کے ذریعے حکومت کرنے لگا۔

تا دلت آئینہ گردد پُر صُوَر	اندر و ہر سُو ملیحے سیم بر
تاکہ تیرا دل صُورتوں بھرا آئینہ بن جائے	جس میں ہر جانب چاندی کے جسم والا حسین اللہ ہو

تیری انگوٹھی تیرا دل ہے، تُو اس کی حفاظت کر، کہیں شیطان اسے نہ چُرا لے اور وہ تجھ پر حکومت کرنے لگے۔ تیری رُوح تیرے اندر ہے۔ اگر تُو اس کی اِصلاح کر لے گا تو وہ سلیمانی کرے گی۔ بناوٹی شیخ کی مثال اُس دیو کی سی ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی چُرا کر اُس کے ذریعے حکومت کرنی شروع کر دی تھی۔ معمولی جولاہا اطلس بُننے کی طرح ہاتھ تو چلا سکتا ہے لیکن اطلس بُننے والے اور اِس جولاہے میں اور اُن کے کام میں بہت فرق ہے۔ یہی حال صحیح اور بناوٹی شیخ میں ہوتا ہے۔

ایک شاہ کا شاعر کو عطیہ دینا اور حسن نامی وزیر کا اُسے دوگنا کرنا

اس حکایت میں دو وزیروں کا ذکر ہے جن دونوں کا نام حسن تھا لیکن اُن کے کام میں بہت فرق تھا۔ شاعر نے بادشاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے ایک ہزار اشرفیاں دینے کا حکم دیا۔ اُس کے حسن نامی وزیر نے سفارش کر کے دس ہزار اشرفیاں دلوا دیں کہ ایسے اچھے شاعر کے لئے آپ جیسے سخی سے دس ہزار بھی تھوڑے ہیں کیونکہ آپ کا خزانہ اس قدر زیادہ ہے کہ یہ دس ہزار تو بچّے کچھے کا دسواں حصہ بنتا ہے۔ اس بخشش کی وجہ سے شاعر کا سر بادشاہ کے شکر اور ثناء سے بھر گیا اور اُس نے جستجو کی کہ کس نے بادشاہ کو اس بڑے عطیہ دینے پر آمادہ کر لیا۔ لوگوں نے شاعر کو بتایا کہ فلاں وزیر جس کا نام حسن ہے وہ دل کا بھی حسین ہے اُس نے یہ عطیہ دلوایا ہے۔ شاہ کی عطا اپنی زبانِ حال سے شاہ کی تعریف کر رہی تھی۔

چند سال بعد شاعر کا پھر شاہ کے سامنے قصیدہ پڑھنا اور نئے حسن نامی وزیر کا طرزِ عمل

چند سال کے بعد شاعر پھر محتاج ہو گیا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ اُس بادشاہ کے دربار میں حاضری دوں جس کے کرم کو پہلے آزما چکا ہوں۔ سیبویہ نے لفظ "اللہ" کی جو تحقیق کی ہے اُس میں کہا ہے کہ یہ اسم مشتق ہے اور الٰہ سے بنا ہے جو دراصل وَلَہٌ تھا جس کے معنی سرگشتہ ہوا اور گھبراہٹ ظاہر کرنے کے ہیں تو "اللہ" سیبویہ کے نزدیک اَلِہَ اِلَیْہِ تھا۔ پہلی ہا اور دوسرے ہمزہ کو حذف کر کے لام کو لام میں مدغم کر دیا ہے اور یاء کو الف سے بدل دیا ہے۔ تو اللہ کو اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق اپنی ضروریات میں اس کے سامنے تضرع وزاری کرتی ہے۔

اپنی ضروریات کو ہم نے تلاش کیا تو اُن کو تیرے پاس پایا یعنی ہماری ضروریات تُو ہی پورا کرنے والا ہے۔ لاکھوں مخلوق مصیبت میں اُس اللہ کی طرف رُجوع کرتی ہے۔ اگر عقل مندوں کی ضرورتیں اُس کے دَر سے پوری نہ ہوتیں تو وہ

دائما صیاد ریزد دانہا	دانہ پیدا باشد و پنہاں دغا
شکاری نفس ہمیشہ دانہ ڈالتا ہے	بظاہر دانہ ہے لیکن باطن میں اُسکا دھوکا چھپا ہوا ہے

کیوں اُس کی طرف رُجوع کرتے۔ صرف عقل مند انسان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اپنی ضروریات اسی اللہ سے پوری کرتی ہے۔ عقل مند انسانوں کے علاوہ صرف جاندار ہی نہیں بلکہ بے جان کائنات بھی اللہ ہی سے سرمایہ حاصل کرتی ہے۔ آسمان اپنے وجود میں اسی سے مُستفید ہیں۔ قرآن میں ہے ''اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں اُس اللہ کے دائیں ہاتھ میں'' آسمان کہتا ہے کہ اے اللہ! تُو مجھے لمحے بھر کے لئے بھی نہ چھوڑ۔ زمین کہتی ہے اے اللہ! تو مجھے برقرار رکھ۔ مجھے پانی پر قائم رکھ۔ دوسرے بھی جو بخشش کرتے ہیں وہ بھی اُسی کے عطا کردہ مال میں سے بخشتے ہیں تو اُن کا دینا بھی دراصل اللہ ہی کا دینا ہے۔ بندوں میں یہ صفت' اللہ ہی کی صفت کا مظہر ہے۔ اللہ فرماتا ہے ''ضروریات میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو' یعنی صبر کے ساتھ نمازوں میں اُس سے دُعا کرو مُدّعا پورا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عطا کا سمندر ہے اور دوسرے سب خشک نہر ہیں۔ دوسروں کی عطا بھی دراصل اللہ ہی کی عطا ہوتی ہے۔ اُن میں سخاوت کا مادہ اُسی نے تو رکھا ہے۔ جب وہ منکروں کو بھی نوازتا ہے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو کیوں نہ نوازے گا۔

شاعر بادشاہ کے حضور شعر پیش کر کے انعام چاہتا ہے اور سخی لوگ داد و دہش کے لئے روپیہ لئے ہوئے شاعروں کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ آئیں تو اُنہیں انعام دیں۔ جو لوگ شاعروں کے قدردان ہیں اُن کے نزدیک ایک اچھا شعر ریشمی کپڑوں کے سینکڑوں گھڑوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خصوصاً اِس شاعر کے اشعار جو نئے عُمدہ مضامین شعر میں کہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ پہلے وہ روٹی کی فِکر کرتا ہے' جب اِس سے مستغنی ہوتا ہے تو مدح وثنا کا طالب بنتا ہے۔ پیٹ کے لئے جائز و ناجائز سودھندے کرتا ہے پھر اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی مدح وثنا ہو تا کہ اُس کی شان و شوکت کی خوشبو پھیل جائے۔

خلق ما بر صُورتِ خود کرد حق
وصفِ ما از وصفِ اُو گیرد سبق　　(مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

''اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق اپنی صورت پر کی ہے۔ ہمارے اوصاف اُسکے اوصاف سے سبق لیتے ہیں۔''

اللہ نے انسان کو اپنی صورت اور صفات پر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ شکر و رحم کا طالب ہے لہٰذا انسان میں یہ صفت ہے۔ اہلُ اللہ جب اپنی تعریف سُنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگ اُن کے مدّاح بن کر سیدھے راستے پر لگ رہے ہیں تو اُن کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اگر دُرست مشک میں پھونک بھرو تو وہ پھول جاتی ہے۔ اگر غیر واقعی تعریف ہو تو اُس کی مثال یہ ہے کہ پھٹی ہوئی مشک میں پھونک بھری جائے۔ اِحسان اور کارِ خیر کبھی مردہ نہیں ہوتے۔ محسن مر جاتا ہے لیکن اُس کا

اِحسان زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح ظلم بھی زندہ رہتا ہے اور ظالم مرجاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کا عمل مُنقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں' صدقہ جاریہ' علمِ نافع اور نیک اولاد جو اُس کے لیے دُعا کرتی رہے''۔ نیک نامی بھی ایک نہ مرنے والا عمل ہے۔ وہ انسان بدبخت ہے جو اپنے پیچھے بُرے عمل چھوڑ گیا' جو مرنے والے نہیں ہیں۔ اُس شخص کے مرنے سے اُس کی جان نہیں چھوٹے گی بلکہ اُس کے بدعمل کی وجہ سے اُس کے گناہوں میں اور اِضافہ ہوتا رہے گا۔

اب ہم شاعر کی بات کی تکمیل کرتے ہیں۔ جو قصیدہ شاعر نے پیش کیا وہ بہت ہی عُمدہ تھا۔ شاہ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ شاعروں کو ایک ہزار روپے انعام میں دیتا تھا۔ اِس دفعہ جب شاعر آیا تو پُرانا نیک نام وزیر دُنیا سے باعزت رخصت ہو چکا تھا۔ اُس کی جگہ پر جو نیا وزیر بنا تھا وہ بے رحم اور کمینہ خصلت تھا۔ دوسرے وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ ہمیں خود اخراجات درپیش ہیں۔ ایک شاعر کو اس قدر انعام دینا مناسب نہیں ہے۔ میں ایک ہزار کے چالیسویں حصے پر اُس کو راضی کرلوں گا۔ لوگوں نے وزیر سے کہا کہ وہ گنا کھا کر سرکنڈے کب چبا سکے گا۔ وزیر نے لوگوں سے کہا کہ میں اُسے اتنا انتظار کراؤں گا کہ وہ عاجز اور پریشان ہو جائے گا۔ جب وہ انتظار میں سخت پریشان ہوگا تو معمولی انعام کو بھی غنیمت سمجھے گا۔

وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں ایسے کاموں میں اُستاد ہوں' تقاضا کرنے والا خواہ گرم مزاج ہو میں اُسے ٹھنڈا کر لیتا ہوں۔ میں بڑوں بڑوں کو نرم کر لیتا ہوں۔ میں جو دوں گا وہ اُس پر راضی ہو جائے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ تجھے اِختیار ہے جو چاہو کرو لیکن اُس کو خوش کر دینا۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا: اُس جیسے لاکھوں سے میں نمٹ لوں گا۔ یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ وزیر نے انعام دینے میں ٹال مٹول شروع کر دی اور موسم پر موسم گزرتے گئے۔ شاعر جس قدر اپنی ضروریات ظاہر کرتا' وزیر حیلہ بازی میں اور اِضافہ کر دیتا۔ شاعر وعدے کے ایفا کے انتظار میں بوڑھا ہو گیا اور وزیر کی مکاری سے عاجز آ گیا۔ شاعر نے وزیر سے کہا کہ اگر مجھے انعام نہیں دینا ہے تو مجھے گالی ہی دے دے تا کہ یہ انتظار تو ختم ہو' میں تیرا شکر گزار رہوں گا۔ اُس نے چالیسواں حصہ اُسے دے دیا اور شاعر نے اُسے ہی زیادہ سمجھا کیونکہ انتظار کی تکلیف سے چھوٹ گیا۔

لوگوں نے اُس سے کہا کہ وہ سخی وزیر دُنیا سے چلا گیا ہے جو عطا کو دوگنا کر دیا کرتا تھا اور اپنا اِحسان بھی ساتھ ہی لے گیا لیکن اِحسان نہیں مرا۔ وہ چلا گیا اور اُس کی جگہ فقیروں کی کھال اُتارنے والا آ گیا۔ تُو اُس سے یہ عطا ہی لے کر

چند اندر رنجہا و در بلا
کئی بار تُو نے تکلیفوں اور مصیبت میں

گفتی از دامم رہا کُن اے خُدا
اللہ سے اس جال سے رہائی کیلئے فریاد کی ہے

چلا جا ورنہ یہ کوئی الزام رکھ کر یہ بھی تم سے چھین لے گا۔ وزیر سے متعلق لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ تجھے تو خبر نہیں ہم نے اتنا بھی تجھے بہت کوششوں سے دلوایا ہے۔ شاعر نے اُن لوگوں سے کہا کہ یہ وزیر نہیں، ظالم سپاہی ہے اور یہ کہاں سے آیا ہے جو کہ لوگوں کے کپڑے بھی اُتار لیتا ہے۔ شاعر نے جب سُنا کہ اُس کا نام بھی حسن ہے تو اُس نے افسوس کا اظہار کیا کہ ایسے بھلے وزیر اور ایسے بُرے وزیر کا نام یکساں ہے۔ پہلے حسن کے قلم سے تو سخاوت ہوتی تھی اور یہ حسن اس قابل ہے کہ اُس کی داڑھی سے رسیاں بنائی جائیں۔ ایسا بد فطرت وزیر، شاہ اور سلطنت کے لئے رُسوائی کا باعث ہے۔ شاہ کا یہ دوسرا وزیر ویسا ہی ہے جیسا فرعون کا وزیر ہامان تھا۔

کمینہ صفت وزیر اور فرعون کے وزیر ہامان کے کردار میں مُشابہت

فرعون کئی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے نرم ہوا لیکن اُس کا وزیر پھر اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدِ مُقابل کر دیتا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ایسا پُر تاثیر تھا کہ اُس کو سُن کر پتھر سے بھی دودھ ٹپکنے لگتا لیکن ہامان کی طبیعت بہت کینہ جُو تھی۔ فرعون جب ہامان سے مشورہ کرتا تو وہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے روک دیتا۔ ہامان بھڑکانے کے لئے کہتا کہ اب تک تو آپ شاہِ مصر ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کر کے آپ اُن کے غلام بن جائیں گے۔ اے مخاطب! تیری عقلِ سلیم تیری خواہش سے مغلوب ہے، جس طرح فرعون، ہامان سے مغلوب تھا۔ خواہشِ نفسانی، مکاری سے اُس نصیحت کو ٹال دیتی ہے اور عقل سے کہتی ہے کہ یہ بات بہتر نہیں ہے، اُس پر فریفتہ نہ ہو۔

اُس شاہ پر افسوس ہے جس کا وزیر ہامان جیسا ہو، اُن دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہ شاہ مُبارکباد کے لائق ہے جس کا آصف جیسا وزیر ہو۔ جب بادشاہ بھی منصف ہو اور وزیر بھی بھلا ہو تو نور بالائے نور ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کا وزیر آصف، نور بالائے نور کا مصداق تھے۔ شاہ فرعون ہو اور وزیر ہامان تو بدبختی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسے شاہ کے لئے قیامت میں تاریکی بالائے تاریکی ہوگی، نہ وہاں عقل کام آئے گی اور نہ دولت۔ اگر کمینوں میں تجھے کوئی سعادت نظر آئے تو اُسے میرا اسلام کہہ دے۔ شاہ بمنزلہ رُوح کے اور وزیر بمنزلہ عقل کے ہے۔ اگر عقل خراب ہو جائے تو رُوح باقی نہیں رہتی۔ عقل جو فرشتے کی طرح ہے اگر ہاروتی فطرت اختیار کر لے تو اُس کے کارنامے خراب ہوتے ہیں۔ تُو خواہشِ نفسانی کو وزیر نہ بنا ورنہ تیری رُوح عبادت چھوڑ دے گی۔ انسان کی خواہشِ نفسانی حریص ہوتی ہے اور دنیاوی معاملات کی فکر کرتی ہے۔ عقلِ سلیم ہمیشہ آخرت کے معاملے کو سوچتی ہے۔ اُس کی دونوں آنکھیں اپنے انجام پر نظر رکھتی

تا چنیں خدمت کُنم اِحساں کُنم ‏ خاک اندر دیدۂ شیطاں کُنم

تو کہتا ہے کہ میں آئندہ خدمت کرونگا احسان کرونگا ‏ اور شیطان کی آنکھ میں خاک جھونک دُوں گا

ہیں۔ خواہ انسان میں خود بھی عقل ہو لیکن عقلِ کامل کو ضرور شریکِ مشورہ کرلے۔ انسان کی اپنی عقل اور عقلِ کامل دونوں مل کر مصائب سے نجات دلا دیں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ پر دیو کا بیٹھنا، اُن کے کاموں کی نقل اُتارنا اور دونوں کا فرق ظاہر ہونا

صخر نامی دیو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری چُرا لی اور خود اُن کی جگہ بیٹھ گیا۔ اس قصے کی حقیقت نہیں ہے لیکن اِس کے ذریعے انسان کو ایک ضروری پیغام دیا گیا ہے کہ وہ دیو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ظاہرِ کار سے واقف تھا لیکن حقیقت سے واقف نہ تھا تو اُس نے ظاہرِ کار کی نقل اُتارنی شروع کر دی لیکن اُن تمام کاموں کا باطن شیطانی تھا۔ جب دیو نے سلیمان علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا نام بھی سلیمان علیہ السلام رکھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ سلیمان تو بے نور ہے اور اِس سلیمان اور اُس سلیمان علیہ السلام میں بہت فرق ہے، ویسا ہی فرق جو دونوں حسن نامی وزیروں میں تھا۔

صخر کو جب شُبہ ہوا کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو کر اصل سلیمان کی تلاش میں نہ لگ جائیں تو اُن کو بہکانے کے لئے کہنے لگا کہ اللہ نے ایک شیطان بھی میری صورت پر پیدا کیا ہے۔ کبھی وہ آ کر کچھ کام کر دیتا ہے تو اُس کی وجہ سے مجھ سے بدگمانی نہ کرنا۔ وہ تو ایسی باتیں کر رہا تھا لیکن نیک لوگوں پر اُس کی اصلیت کا عکس پڑ رہا تھا۔ نیک لوگوں کے ساتھ مکر کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جو لوگ آخرت کی دولت کے مالک ہیں اُن کی عقلوں پر کوئی جادو، مکاری اور فریب پردہ نہیں ڈال سکتا۔

نیک لوگ اُس کی باتوں کا اِعتبار نہیں کرتے تھے اور اُسے بتاتے تھے کہ اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام سلطنت سے معزول ہیں لیکن ان کی پیشانی میں نورِ نبوت ہے۔ اُن لوگوں نے دل میں یہ بھی کہا کہ اگرچہ تُو نے انگوٹھی چُرا لی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے لیکن تُو دوزخ کا زمہریری حصّہ ہے۔ اگر ہم غفلت سے بھی اُس کے سامنے اپنی پیشانی رکھیں گے تو غیبی پنجہ ہمیں روک دے گا کہ خبردار! اُس بدبخت کے آگے سجدہ نہ کر۔ اگر میں اس بات کی تشریح کروں کہ اللہ تعالیٰ شیاطین کو کیوں مواقع عنایت کرتا ہے اور اُن کو ڈھیل دینے میں کیا اَسرار ہیں تو غیرتِ خداوندی مجھے روکتی ہے۔ قناعت کرو کہ میں کسی دوسری جگہ اس کی شرح کروں۔ شیطان اپنا اچھا نام رکھ کر اکثر لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مقطع صورت اور بڑے نام اور القاب سے دھوکا نہ کھائے بلکہ باطنی اَوصاف دیکھے۔ انسان کو اُس کے اخلاق اور اُس کے کارناموں سے پہچان۔ محض صورت اور بڑے نام سے دھوکہ نہ کھا۔

چوں خلاصی داد حق زامتحاں	ہمچناں گشتی کہ بُودی ہمچناں
لیکن جونہی اللہ تمہیں مصیبت سے نجات عطا کرتا ہے	تو پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا

تکمیل کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد میں عبادت کے لیے آنا، لوگوں کی رہنمائی کرنا اور مسجد میں اُگی بوٹیوں کا اُن سے باتیں کرنا

حضرت سلیمان علیہ السلام ہر صبح مسجد اقصیٰ میں جاتے اور وہاں کوئی نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھتے تو اُس سے اُس کا نفع و نقصان دریافت فرماتے۔ وہ بوٹی اپنا نام اور خواص و افعال انہیں بتا دیتی۔ پھر وہ اُن بوٹیوں کے خواص و فوائد طبیب حضرات کو بتا دیتے اور اس طرح وہ جسمانی بیماریوں کے علاج کرنے لگے۔ غرض بتانے کی وجہ یہ ہے کہ سب علوم کی ابتداء وحی کے ذریعے ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نبی لکیر کھینچتے تھے (جس سے آئندہ کے واقعات معلوم ہو جاتے تھے) پس جس عالم کی لکیر اُن انبیاء علیہم السلام کی لکیر کے مطابق ہوتی ہے وہ دُرست ہے اور جس کی مخالف ہوتی ہے وہ غلط ہے۔ عام عقلِ انسانی میں سیکھنے کی صلاحیت ہے اور صاحبِ وحی اُس کو سکھا دیتا ہے۔ بعد میں علماء اور حکماء نے اپنی عقل اور تجربے سے علوم میں اضافے کیے ہیں۔ کوئی فن و ہُنر یا دستکاری بغیر اُستاد کے نہیں سیکھی جا سکتی۔ عقل اگرچہ موشگافیاں کرتی ہے لیکن اُستاد کے بغیر کوئی ہُنر نہیں سیکھا جا سکتا۔

قابیل کا قبر کھودنے کا فن کوے سے سیکھنا

قبر کھودنا اگرچہ معمولی فن ہے لیکن اگر اِس کی سمجھ قابیل میں ہوتی تو وہ کیوں ہابیل کی لاش کو سر پر اُٹھائے پھرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ وہ اُس کی لاش سر پر اُٹھائے پھرتا تھا کہ اُس کا کیا کرے۔ اُس نے دیکھا کہ ایک کوا دوسرے مردہ کوے کو لایا اور اُس نے زمین کھود کر اُس کو دفن کیا تو اُس کوے سے قابیل کو قبر کھودنے کا ہُنر آیا۔

آنحضور ﷺ کی عقل کامل تھی۔ قرآن میں آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی "حضور ﷺ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ اُس نے سرکشی کی"۔ جو عقل صحیح کام کرتی ہے وہ خاصانِ خدا کا نور ہے جو اُن کو عطا کر دیا گیا ہے۔ تیرا نفس بھی چالاکی میں کوا ہے۔ اِس کے پیچھے نہ لگ ورنہ وہ تجھے گورستان پہنچا دے گا۔ دل چونکہ اَسرار کا مرکز ہے اِس کے پیچھے چل۔ تیرا دل مسجدِ اقصیٰ کی طرح ہے اور اُس کے خیالات وہ بوٹیاں ہیں، جو مسجدِ اقصیٰ میں اُگتی تھیں۔

جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اُن سے علم حاصل کرتے تھے تو اپنے خیالات سے دل کا علم حاصل کرتا رہ۔ جس طرح کے خیالات پیدا ہوں گے اُن سے اپنے قلب کی حالت کا اندازہ لگا لے۔ زمین کی اچھائی یا بُرائی کا معیار اُس کی

چوں رہا کردت فراشش کردیش
جونہی اُس نے تجھے مصیبت سے رہائی دی

پیداوار ہے۔ جو زمین گنا اُگائے وہ بہتر ہے اور جو زکل اُگائے وہ خراب ہے۔ خیالات دل کی زمین کی پیداوار ہیں' اُن سے دل کی اچھائی یا بُرائی معلوم ہو جائے گی۔ اگر مجلس میں سُخن فہم ہوتے ہیں تو کہنے والے کا دل کھلتا ہے۔ اگر سامعین نافہم ہوں تو نکتے فرار اِختیار کر لیتے ہیں۔ جب سننے والے میں اہلیت نہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ اَسرار وحِکم نااہلوں کو نہیں سنائے جاتے۔ سننے والوں کا جذبہ مضامین کی کشش کا سبب ہوتا ہے اور اُن کا جذبہ بھی صادق ہونا چاہیے۔ جس طرح چیزوں میں ظاہری کشش ہوتی ہے۔ اُسی طرح ایک پوشیدہ کشش ہے جو کبھی سیدھا چلاتی ہے اور کبھی ٹیڑھا اور انسان بندھا ہوا ہے لیکن نہ بندش نظر آتی ہے اور نہ کھینچنے والا۔

انسان کی مثال ایک اندھے اونٹ کی سی ہے جس کی مہار دوسرے کے قبضے میں ہوتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ کھینچنے والے کی طرف دھیان دینا چاہیے۔ اگر انسان کا غیر محسوس کھینچنے والا ظاہر ہو جائے تو دُنیا دھوکے کا گھر نہ رہے۔ کافر کو گمراہی کی طرف کھینچنے والا رُوسیاہ کتا شیطان ہے۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا تو وہ کب اُس کے پیچھے جاتا۔ گائے اگر قصائی کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو کبھی بھی اُس کے پیچھے اُس کی دکان تک نہ جائے' نہ اُس کے ہاتھ سے چارہ کھائے' نہ اُس کو دودھ پلائے۔ اگر مجبوری میں قصائی کے ہاتھ کی گھاس کھاتی تو وہ کبھی ہضم نہ ہوتی۔ پس دُنیا کا کاروبار اس غفلت کی وجہ سے چل رہا ہے ورنہ دُنیا کی دولت کا خلاصہ بھاگ دوڑ اور مار پیٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آدمی جس کام میں محنت اور کوشش سے لگتا ہے۔ خدا اُس کے عیب اُس سے مخفی رکھتا ہے۔ تب ہی وہ لگا رہتا ہے۔ یہ بات صرف کام میں ہی نہیں ہے بلکہ فکر و خیال میں بھی ہے۔ اگر خیال کا عیب ظاہر ہو جائے تو آدمی اُس سے کوسوں بھاگے۔ جس حالت اور کیفیت میں انسان آخر میں شرمندہ ہوگا اگر اِبتداء اُس کی کیفیت معلوم ہو جائے تو اُس میں کبھی نہ لگے۔

قضاءِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ کام اور خیال کی بُرائی انسان پر ظاہر نہ ہو ورنہ قضا کے مطابق کام نہ ہو سکے گا۔ ایک تو یہ کام مقدر میں تھا پھر یہ پریشانی ایک دوسری قضائے خداوندی ہے۔ گناہ پر شرمندہ ہونا مُفید ہے۔ لیکن اعمالِ صالحہ میں لگ جانا زیادہ مُفید ہے۔ اگر انسان گناہوں پر شرمندگی میں پھنس کر رہ گیا تو انجام کار اس شرمندگی سے اُس کو اور شرمندگی ہوگی۔ اگر انسان گناہوں پر شرمندگی ہی کو اپنا شیوا بنا لے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آدھی عمر تو کاموں کی پریشانی میں گزرے گی اور آدھی شرمندگی میں۔ کوئی نیک عمل تو ہاتھ نہ آیا۔ پشیمانی کی عادت چھوڑ کر انسان کو اچھے عمل' اچھی صحبت اِختیار کرنی چاہیے۔ اگر ایسا ہے کہ تیرے پاس کوئی نیک کام موجود ہی نہیں ہے اِس لئے تُو بُرے کام کی شرمندگی میں وقت گزار رہا ہے تو پھر یہ بتا کہ تُو شرمندہ کس کام کے چھوٹنے پر ہو رہا ہے؟ اگر تجھے نیک راستہ معلوم ہے تو اُس پر

از کہ بگریزیم از خود، ایں مُحال
ہم کس سے بھاگیں؟ اپنے آپ سے؟ یہ ناممکن ہے

از کہ برتابیم از حق ایں وبال
ہم کس سے سرتابی کریں؟ خُدا سے! یہ تو تباہی ہے

چل اور اگر تجھے نیک راستہ معلوم ہی نہیں ہے تو تُو نے یہ کیسے سمجھا کہ تُو غلط راستہ پر تھا۔ جو شخص بدی کو نہیں سمجھتا ہے وہ نیکی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ اِس لئے کہ ایک چیز کو اُس کی ضد ہی سے جانا جا سکتا ہے۔

ہماری نصیحت ہے کہ شرمندگی ختم کر کے عمل شروع کر۔ اگر تُو یہ کہے کہ شرمندگی ختم کرنے سے میں عاجز ہوں تو ایسا عجز تو گناہ چھوڑنے پر بھی تھا لہٰذا تیرا گناہ اِضطراری ہوا اور اِضطراری فعل پر شرمندگی لغو بات ہے۔ تیری عاجزی قضاءِ خداوندی سے اِختیار کے سَلب ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہے۔ انسان کا عجز قدرت سَلب ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ انسان کی ہر تمنا اس بنا پر ہے کہ اُس تمنا کا عیب اُس سے پوشیدہ ہے۔ اگر اُس آرزو کا عیب واضح ہو جائے تو پھر انسان کھینچنے سے بھی اُدھر نہ جائے۔ جس کام سے انسان کو نفرت ہوتی ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُس کا عیب انسان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ دُعا کیا کرو کہ اے اللہ! بُرے کاموں کے عیب کو ہم سے مخفی نہ رکھ اور نیک کام میں کوئی عیب رونما نہ کر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق صبح صادق کے بعد مسجد اقصیٰ جاتے تھے اور نئی بوٹی تلاش کرتے تھے تا کہ اُس سے اُس کے فوائد و مُضرّات معلوم کر لیں۔ صوفی بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اپنے دل کی مُصفّٰی آنکھوں سے معارف کا راز معلوم کر لیتا ہے۔

ایک صُوفی کا مراقبہ اور دوستوں کے سوال وجواب

ایک صوفی نے باغ میں مُشاہدہ کے لئے اپنا سر زانو پر رکھا ہوا تھا یعنی مراقبے میں تھا۔ ایک نامحرم نے اسے سوتا ہوا سمجھا اور اُسے کہا کہ کیوں سوتا ہے؟ جبکہ قرآن میں ہے کہ "پس تم دیکھو اللہ کی رحمت (بارش) کے آثار (نباتات) کو وہ کس طرح زمین کو زندہ کر دیتا ہے اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد" اُس صوفی نے کہا کہ اے احمق! دراصل رحمت کے آثار دل کے آثار ہیں جن کا مراقبہ میں مُشاہدہ ہوتا ہے اور یہ دُنیا کے باغ و بہار دل کی نشانیوں کے نشانات ہیں اور جس طرح اِن نشانات کا نقش اس نہر میں نظر آ رہا ہے جو باغ میں رواں ہے اُسی طرح یہ باغ و بہار دل کے آثار کا عکس ہیں۔ جو پانی میں نظر آتا ہے وہ اصل نہیں ہوتا بلکہ صرف عکس ہوتا ہے۔

کائنات کی ہر چیز کسی صفتِ خداوندی کا مظہر ہے اور قلبِ انسانی تمام صفات کا مظہر ہے۔ لہٰذا اصل وہ آثار ہیں جو دل میں نمایاں ہوتے ہیں اور یہ کائنات اس سے درجہ دوئم کی چیز ہے۔ لہٰذا یہ اُس کا عکس ہے جیسا کہ اُس کا عکس پانی میں پڑتا ہے۔ اس دُنیا کو دھوکے کا گھر اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ کائنات دل کے آثار کا عکس ہے۔ جو لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں وہ اسی کائنات کو اصل اور جنت کدہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل کی باغ و بہار سے بھاگتے ہیں اور اس کے

از کہ بگریزیم از خود، ایں مُحال
ہم کس سے بھاگیں؟ اپنے آپ سے؟ یہ ناممکن ہے

از کہ برتابیم از حق ایں وبال
ہم کس سے سرتابی کریں خُدا سے! یہ تو تباہی ہے

عکس کے حصول پر شیخی بھگارتے ہیں۔ جب اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے تو اصل حقیقت نظر آ جائے گی لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اُس وقت یہ لوگ قبرستان میں ہوں گے اور دارُالعمل سے جا چکے ہوں گے تو سوائے آہیں بھرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جس شخص نے موت سے پہلے فنا حاصل کر لی اور اصل باغوں کا راز پالیا' وہ قابلِ مبارک باد ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کے کنارے خرُوب اُگنا

ایک روز عادت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد میں آئے تو ایک گوشے میں نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھی جو بہت ہی سرسبز اور شاداب تھی۔ بوٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کیا اور اُس کی خوشنمائی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طبیعت شگفتہ ہوئی۔ اُنہوں نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: میرا نام خرُوب ہے اور جہاں میں اُگتی ہوں وہ جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ میں مکان کی بربادی کی علامت ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ اُن کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ اُن کی زندگی میں اس مسجد کی بربادی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس دل کا جسم نمازی ہو وہ دل مسجد ہے اور بُری صحبت اُس کے لئے خرُوب کی بوٹی ہے۔ جب کسی بُرے دوست کی محبت دل میں اُگے تو مسجدِ دل برباد ہو جائے گی اور تو تباہ ہو جائے گا۔ سالِک کے دل کی خرُوب اُس کے دل کا ٹیڑھا پن ہے جو اُسے مُرشد سے دُور کر دیتی ہے۔ شیخ کے سامنے اپنے آپ کو نادان اور مجرم سمجھ تا کہ وہ تمہاری اصلاح کرنے میں دریغ نہ کرے۔ جب تُو اپنے جہل اور خطا کا اقرار کرے گا تو شیخ تجھے تعلیم دے گا۔

یاد رکھو! جہالت کے اِقرار کی ذِلّت جو واقعی ہے۔ جہالت کے فخر سے بہت بہتر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فوراً اعتراف کر لیا تھا' شیطان کی طرح عذر اور بہانے نہ بنائے۔ شیطان نے اپنی خطا کے سلسلے میں اللہ سے بحث شروع کر دی تھی۔ اُس نے گناہ پر جبر کو بہانہ بنایا اور کہا کہ تُو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اپنے اِختیار سے قطع نظر کر لیا۔ انسان گناہ خوشی سے کرتا ہے تو اُس خوشی کے ہوتے ہوئے جبر کا عذر کیسے دُرست ہوا۔ گناہوں کی طرف رقص کرتے ہوئے جانے کے ساتھ جبر اور اِکراہ کہاں جمع ہو سکتا ہے۔ نصیحت کرنے والوں کے ساتھ تُو زیادہ لڑائی کرتا ہے تو گناہوں کے ہاتھوں مجبور کیسے ہو گیا۔ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں تُو بااختیار بنتا ہے اور بتقاضائے عقل نیک کام کرنے میں اپنی مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ ہر نیک بخت خوب سمجھتا ہے کہ گناہ کر کے چالاکی سے اُس کے عذر پیش کرنا شیطانی کام ہے اور عشق و محبت جس کا تقاضا اطاعت ہے' آدم علیہ السلام کا کام ہے۔ اِس طرح کی چالاکی سمندر کو تیر کر پار کرنا ہے' جس کا انجام ہلاکت

مکر کُن تا وارہی از مکرِ خود
اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے

مکر کُن تا فرد گردی از حسد
اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

ہے۔ اللہ کے راستے میں چالاکی سے کامیابی ناممکن ہے۔ اِس معاملے میں شیطان نے کبر و کینہ اختیار کیا مارا گیا۔ چالاکی چھوڑ کر عشق کی حیرانی اختیار کرنی چاہیے تب مشاہدہ حاصل ہوگا۔

آنحضور ﷺ کی محبت پر اپنی عقل قربان کر دے اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پر خدا کے بھروسہ پر چل پڑ۔

حضرت نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے نے طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر دیا تو عشق کی کشتی سے انکار کنعانی کام ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں پہاڑ پر ٹھکانہ بنالوں گا جو مجھے بچالے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا احسان نہ لوں گا۔ کنعان سے پوچھو کہ خدا جس ذات کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اُس کا احسان لینے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ جبکہ وہ اللہ کے محبوب ہیں تو اُن کا احسان ہماری جانوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ کاش اُس بدبخت کو تیرنا نہ آتا تو وہ ضرور حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے نجات کا طالب بن جاتا۔ بچے کو چونکہ حیلے اور تدبیریں نہیں آتیں، وہ ہر مصیبت کے وقت ماں کی پناہ پکڑتا ہے۔ وہ کنعان رَسمی علوم سے محروم ہوتا تو عقلی تدبیریں چھوڑ کر کسی باخدا سے الہامی علوم سیکھ لیتا۔ وَہبی علوم کے آگے کتابی علوم ہیچ ہیں۔ وَہبی علوم اور رسمی علوم میں وہی فرق ہے جو تیمم اور وضو میں۔ وضو پر اگر قدرت ہے تو تیمم بے کار ہے۔ شیخ اور ولی کے آگے اپنے آپ کو نادان بنالے تو رَسمی علوم کی حماقت سے نجات مل جائے گی۔

حدیث ہے اَهْلُ الْجَنَّةِ بُلْهٌ یعنی "جنتی بھولے بھالے ہیں" اَبلہ سے مراد وہ شخص ہے جو عشقِ خداوندی میں غافل اور دُنیا سے بے خبر ہے۔ نادان سے وہ نادان مراد نہیں جس میں مسخرہ پن ہو نہ وہ مراد ہے جو اپنی نادانی سے دُنیا جمع کرنے کا شوقین ہو۔ نادان سے وہ مراد ہے جو عشقِ خداوندی میں مقامِ حیرت میں ہو اور اُس کے گلے میں اللہ کے عشق کا طوق ہو۔ اِس طرح عشقِ الٰہی میں مدہوش ہو جس طرح مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق میں کیا تھا۔ اُنہوں نے محویت میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور اُن کو صرف رُخِ یوسف علیہ السلام کا ہوش تھا۔ عقلیں اللہ کا بہترین عطیہ ہیں تو اُس کی راہ میں ہی صرف ہونی چاہئیں۔ جو عقل مند ہیں وہ اپنی عقلوں کو اللہ کی ذات اور صفات کے سمجھنے میں صرف کرتے ہیں لیکن بے وقوف لوگ دُنیا کے کاموں میں عقل کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر محویت کی بنا پر عقل نہ رہے تو پھر انسان کا ہر ہر رونگٹا عقل بن جاتا ہے۔

دنیاوی اُمور میں عقل سوزی ہے اور آخرت کے معاملے میں غور کرنے سے عقل، باغ و بہار بنتی ہے۔ جب عقل کی پیداوار کے باغ و جنگل کی طرف رُخ کرو گے تو اُس جنگل سے دین کے نکتے سنو گے اور تمہاری عقل تر و تازہ رہے گی۔

مکر کُن تا وارہی از مکر خود	مکر کُن تا فرد گردی از حسد
اچھی سوچ سے ہی تُو اپنے نفس کے مکر سے	اور حسد کی بُرائی سے نجات پائے گا

اِس راہِ عشق میں اپنی شان و شوکت کو ترک کر کے شیخ کے تابع بن جاؤ۔ جو شیخ کی اِتباع نہیں کرے گا اُس میں عیب ہی عیب ہوں گے اور وہ پاک رُوحوں کو زخمی کرے گا۔ ایسے شخص کی زندگی سے موت بہتر ہے تا کہ رُوح کو ایسے ناپاک جسم سے نجات مل جائے۔ دیوانے سے ہتھیار چھین لینا عدل اور نیکی ہے۔ اگر دیوانے کے ہاتھ میں تلوار رہے گی تو وہ بہت نقصان پہنچائے گا۔ نا اہل کے ہاتھ میں علم و مال اور مرتبہ ایسا ہی تباہ کُن ہے جیسے ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار۔ بد اصل انسان ہر چیز کا غلط استعمال کرے گا۔ جہاد کو اسی لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ دُنیا کے دیوانوں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے تا کہ لوگ تباہ اور گمراہ نہ ہوسکیں۔ جان اور تن کو جدا کرنا گویا اُن کے ہاتھ سے تلوار چھین لینا ہے۔

جب تک بُرے آدمی کے ہاتھ میں ذرائع نہ تھے اُس کے عیوب چُھپے ہوئے تھے۔ وسائل کا بُرے ہاتھوں میں آ جانا گویا سانپ کا سوراخ میں سے نکل پڑنا ہے۔ جب نادان اور جاہل شاہ بن جائے تو اُس کے کارندے سانپ اور بچھو بن کر لوگوں کو کاٹتے ہیں۔ خود یہ شاہ بھی تباہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی تباہ اور رُسوا کرتا ہے۔ نا اہل بادشاہ بُخل کرے گا اور کسی کو کچھ نہیں دے گا اور اگر دے گا تو نا اہلوں اور غیر مُستحقوں کو دے گا۔ ذلیلوں کو باعزت بنائے گا اور عزت والوں کو ذلیل کرے گا۔ وہ اُس کو عزت اور رتبہ اور منصب سمجھتا ہے حالانکہ وہ اُس کے لئے کنواں ہے۔ سمجھو کہ وہ مرتبہ کنویں میں گر گیا۔ اُس کو خود سلیقہ نہ تھا تو دوسروں کو کیا سلیقہ سکھائے گا۔ جس طرح جاہل بادشاہ کے ہاتھوں ملک تباہ ہوتا ہے اسی طرح مردود شیخ کے ہاتھوں دین برباد ہوتا ہے۔ وہ خود راہِ طریقت سے ناواقف ہے تو اُس کے مرید تو برباد ہی ہوں گے۔ وہ مریدوں سے کہتا ہے کہ آؤ تمہیں مشاہدہ حق کرا دوں حالانکہ اُس نے خود بھی مشاہدہ تو دور کنار پر چھائیں بھی نہیں دیکھی۔

آیت "یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ" کی تفسیر

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضور ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی وحی آئی تو آپ ﷺ کانپ گئے اور گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ بعض میں ہے کہ آپ ﷺ قریش کی نافرمانی سے تنگ آ کر اور رنجیدہ ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹے تھے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ دوسری وجہ کو دُرست تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نا اہلوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے روپوشی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کو مُزمّل یعنی کملی اوڑھنے والا کہا گیا۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم روپوشی اختیار کرو گے تو لوگ گمراہی میں مبتلا رہیں گے۔ آپ ﷺ رات کو نماز میں قیام کیا کریں کیونکہ آپ ﷺ ایک شمع کی مانند ہیں اور شمع کا کام رات کو کھڑا رہنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے نورِ ہدایت سے عالم روشن ہوگا۔ ورنہ رُوح جو کہ شیر ہے وہ نفس سے جو کہ خرگوش کی طرح ہے

ہست صُوفی آنکہ شُد صفوت طلب	نہ لباسِ صوف نہ خیاطی و دَب
حقیقی صُوفی وہ ہوتا ہے جو باطنی صفائی کا طالب ہو	نہ وہ کہ جس نے صوفیوں جیسا لباس پہنا ہوا ہو

مغلوب رہے گی۔ آپ ﷺ اپنی اُمت کے لئے کشتی بان کی طرح ہیں اور رہنمائی وہی کرسکتا ہے جو صاحبِ عقل ہو خصوصاً دریائی راستے کی۔

آپ ﷺ اُٹھیئے کیونکہ ہر طرف شیطانی دَورِ دَورہ ہے۔ اِس وقت علمِ لدُنیہ کا فیضان پہنچانے والے عالَم میں آپ ﷺ ہی ہیں۔ رُوح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم سے روپوش ہوکر آسمانوں پر پہنچ گئے ہیں۔ مخلوقِ خدا کے لئے آپ ﷺ آفتابِ ہدایت ہیں۔ آپ کے لئے خلوت اور لوگوں سے جُدائی مناسب نہیں ہے۔ چاند آسمان پر اپنی سَیر جاری رکھتا ہے اور کتوں کے بھونکنے سے اپنی رفتار نہیں چھوڑتا۔ آپ ﷺ کے مخالف کتوں کی طرح ہیں' اُن کے بھونکنے سے آپ ﷺ اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کریں۔ قرآن پاک میں حکم ہے کہ قرآن پڑھا جاتا ہو تو خاموش ہوکر سنو لیکن یہ کتے اس حکم سے بے بہرہ ہیں اور بھونکے چلے جارہے ہیں۔ یہ عالم بیمار ہے اور آپ ﷺ اس کی شفا ہیں۔ مخلوق اندھی ہے اور آپ ﷺ اِن کے رہنما ہیں' مخالفوں کی وجہ سے اپنا کام نہ چھوڑیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اندھے کی چالیس قدم تک رہنمائی کی اُس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ آپ ﷺ اس اندھی مخلوق کی قیادت کیجئے' اُن کو قطار در قطار کھینچ کرلے جایئے۔

آپ ﷺ نبی آخرالزمان ہیں' اِن کے سوگ کو خوشی میں تبدیل کردیجئے۔ جو لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں اُن کو اس سے نکال کر یقین کی منزل میں پہنچا دیجئے۔ جو لوگ آپ کے خلاف مکر اور تدبیر کر رہے ہیں اُن کو میں ہلاک کر دوں گا۔ جو اندھے ہیں اُن کو اور اندھا بنادوں گا اور ایسی تدبیر کروں گا کہ وہ زہر کو شکر سمجھ کر کھا جائیں' اِن مخالفوں کی عقلیں اور تدبیریں میری عقل اور تدبیر سے بڑھی ہوئی نہیں ہیں۔ اِن کا وجود میرے سامنے ایسے ہی ہے جیسے ایک نر ہاتھی کے مقابلے میں کمبل کا جھونپڑا۔ قیامت میں جب اسرافیل علیہ السلام صُور پھونکیں گے' مُردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ تم یہاں اپنا صُور پھونکو اور نبوت کا اعلان کردو اور مردہ دلوں کو حیاتِ ابدی عطا کردو۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت ملے جلے بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح قیامت حق اور باطل میں تفریق کرتی ہے میں بھی حق و باطل میں تفریق کرتا ہوں۔ جس طرح قیامت میں مُردے زندہ ہوں گے اسی طرح آنحضور ﷺ کی بعثت سے مردہ دلوں کو زندگی حاصل ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ اگر اِن مَعارف کے سننے کی اہلیت نہیں ہے تو پھر اُن کے بیان سے خاموشی بہتر ہے۔ اگر کوئی نادانی سے دُعا کرتا ہے اور اس کی دُعا ناقابلِ قبول ہوتی ہے تو سکوت اختیار کرلیا جاتا ہے۔

مقام کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کے کارناموں کی تفصیل بیان کی جائے کہ کملی سے اُٹھ کر آپ ﷺ نے کیا کیا لیکن

ہست صُوفی آنکہ شُد صفوت طلب | نہ لباسِ صوف نہ خیاطی و دب
حقیقی صُوفی وہ ہوتا ہے جو باطنی صفائی کا طالب ہو | نہ وہ کہ جس نے صوفیوں جیسا لباس پہنا ہوا ہو

وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ ان کارناموں کی تفصیل بیان کرنے کے لئے تو عمر جاوداں بھی ناکافی ہے۔ بہترین نیزہ باز سے بھی اگر یہ کہا جائے کہ وہ گڑھے میں گھس کر نیزہ بازی کرے تو وہ بھی ذلیل ہو جائے گا اور صحیح بازی نہ کر سکے گا کیونکہ اس کام کے لئے وسیع میدان درکار ہے تو معارف کا بیان تنگ وقت میں اور وہ بھی عوام کے سامنے اس کی بھی یہی صورت ہے۔ پہلے کہا تھا کہ احمقوں کا جواب خاموشی ہے تو اعتراض ہوا کہ ان معارف کو بیان کرنے میں اس قدر طویل تقریریں کیوں ہو رہی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کی رحمت سے مجبور ہوں کیونکہ اُس کی رحمت کی موجِ کرم اچھی زمین اور شور زمین سب کو پہنچتی ہے۔

جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے، احمق کے سوال کا جواب خاموشی ہے

کسی بادشاہ کا ایک غلام بیوقوف اور شہوت پرست تھا۔ اپنے آقا کی معمولی خدمت بھی انجام نہ دیتا تھا اور آقا کا بدخواہ تھا اور اپنی اس عادت کو اچھا سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے اُس کی تنخواہ کم کر دی۔ وہ کم عقل اور لالچی تھا اس لئے سرکشی کرنے لگا۔ اگر وہ عقلمند ہوتا تو اپنا جائزہ لیتا اور خطا کی معافی چاہتا اور خطا معاف ہو جاتی۔ اُس غلام کی مثال اس گدھے کی سی ہے کہ جس کی ایک ٹانگ بندھی ہوئی ہو تو پھر بھی شرارت کرے تو اس کا دوسرا پاؤں بھی باندھ دیا جائے۔ دونوں پاؤں بندھنے پر کہتا ہے کہ میرا ایک پاؤں باندھنا ہی کافی تھا اور یہ نہیں سمجھتا کہ دونوں پاؤں بندھنا خود اُس کے اپنے کمینہ پن کی وجہ سے ہوا یعنی اگر وہ سمجھتا کہ میرا ایک پاؤں بھی میری شرارت کی وجہ سے ہی بندھا ہے تو وہ شرارت کو ترک کر دیتا اور پہلا پاؤں بھی کھل جاتا۔

اِنسانوں، فرشتوں اور حیوانات میں فرق

اللہ نے فرشتوں میں عقل رکھی جس کا مقتضاء طاعت و بندگی ہے لہٰذا فرشتوں سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا اور ملائکہ کی غذا صرف عشقِ خداوندی ہے، حیوانات میں صرف شہوت رکھی جنسی ہو یا کھانے پینے کی۔ انسان میں عقل اور شہوت دونوں رکھیں۔ حیوانات میں صرف خواب وخور کی فکر ہے اور وہ شقاوت اور سعادت سے غافل ہیں۔ انسان رُوحِ انسانی اور جسم سے مرکب ہے۔ رُوح میں مَلَکِیَّت ہے اور جسم میں حیوانیت ہے۔ جسم کا تعلق عالمِ ناسُوتِ سفلی سے ہے اور رُوح کی پرواز عالمِ بالا کی طرف ہے۔ انسان کی اِن دونوں قوتوں میں باہم تصادم رہتا ہے۔ انسان رُوح کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ اُس نے جسمانی خواہش کو مغلوب کیا۔ اگر انسان شہوت سے مغلوب ہو جاتا ہے تو حیوانات سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ حیوانات میں تو عقل نہ تھی۔ فرشتوں میں اور حیوانات میں ان

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ جز وجہِ اُو
ماسوائے اُس کی ذات ہر چیز فنا ہونے والی ہے

چوں نہ در وجہِ اُو ہستی مجو
جب تُو اُسکی ذات میں نہیں رہا ہے ہستی کی اُمید رکھ

متضاد طاقتوں کی کشمکش نہیں ہے۔ انسان اِن کی کشمکش کی وجہ سے عذاب میں ہے۔
اب انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس نے خالصتاً ملکیت اختیار کی جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ فرشتوں ہی میں جا شامل ہوئے۔ غصہ و حرص وغیرہ یہ سب چیزیں جسم کی بدولت ہیں۔ مجاہد لوگ اخلاقِ ذمیمہ کو ختم کرنے کے لئے ریاضت کرتے ہیں' جب وہ نہ رہے تو مجاہدوں کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ انسانوں کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو بالکل حیوانات کی طرح ہوتی ہے اُن میں مَلَکِیَّتَ کا مادہ تھا لیکن وہ کم ظرف تھے اس لئے آہستہ آہستہ مَلَکِیَّتَ بالکل ختم ہوگئی۔ جس طرح رُوح نکل جانے سے جسم مردہ ہو جاتا ہے اِسی طرح جان کی جان نکل جانے سے رُوح مردہ ہو جاتی ہے۔ جب رُوح میں رُوح کے اَوصاف باقی نہ رہیں تو رُوح مردہ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ زاغ صفت انسانوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں تو یہ کوے کی طرح مکر' حرص' مُردار خوری کے عادی ہو جاتے ہیں۔
جب رُوح اپنے خواص کھو بیٹھے تو وہ جسم ہی ہے۔ جس رُوح میں رُوح کے خواص نہ رہیں وہ بہت پست اور ذلیل ہے۔ عالمِ ناسُوت میں اُن کی مشغولیت حیوانوں سے بھی بڑھ جاتی ہے اب یہ وہ مکاریاں کرتا ہے جو حیوانات سے بھی متصور نہیں ہیں۔ عالمِ ناسُوت کے حیوانات مُشقت نہیں اُٹھاتے ہیں لیکن مکار انسان وہ مُشقت اُٹھاتے ہیں۔ دُنیا کی محبت میں کی گئی دستکاریوں کا تعلق عالمِ ناسُوت سے ہے۔ ملاءِ اعلیٰ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دُنیا میں جس قدر بھی علوم ہیں سب عالمِ ناسُوت کی تعمیر و ترقی کے لئے ہیں' جو حیوانات کی آخری منزل ہے۔ یہ علوم چند روزہ زندگی کے لئے ہیں اور احمق اہلِ عقل انہیں رموز تصور کرتے ہیں۔ راہِ طریقت اور اُس کی منازل' دل اور صاحبِ دل جاننا ہے اور دراصل وہ رموز کہلانے کے مستحق ہیں۔ جب انسان رُوحِ حیوانی کھو بیٹھے تو وہ حیوان ہے۔ اِسی لئے قرآن میں ایسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''وہ چوپاؤں کی طرح ہیں'' رُوحِ انسانی بیدار ہے اور اُن کی رُوح سوئی ہوئی ہے۔ یہ رُوح' عقل اور مُقتضیات سے اِسی طرح غافل ہے جیسے کوئی سویا ہوا ہو اور اپنے حواس کو عقل کے مُقتضیات کے برعکس کام میں لائے۔ جب اُن میں بیداری آئے گی تو اُن کو حواس کے اُلٹا ہو جانے کا احساس ہوگا۔ نیند سے بیدار ہو کر انسان سمجھتا ہے کہ نیند کی حالت میں اُس کے حواس صحیح کام نہیں کر رہے تھے۔
قرآن پاک میں ہے کہ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر ہم اُس کو کم تر سے کم تر مخلوق میں لوٹا لائے''۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج کی اُلوہیت سے جُدائی اختیار کر لی تھی کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسا انسان بدترین مخلوق ہے۔ اس لئے کہ اُس میں بھلائی کی

ہر کہ اندر وجہِ ما باشد فنا
جو ہماری ذات میں فنا ہو جائے

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ نبود جزا
اُس کی سزا ''کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ'' نہیں ہوتی ہے

اِستعداد نہیں ہے اُس نے اِسے خود تباہ کر دیا ہے۔ دیگر حیوانات میں اِستعداد ہی نہیں تھی لہٰذا وہ بہیمیت میں معذور ہیں۔ جب انسان نے اِستعداد ہی کو ختم کر دیا تو جو غذا وہ استعمال کرے گا مزید حماقت کا سبب بنے گی۔ یہ عام مومنین کی قسم ہے جن کا نفس لوّامہ ہے۔ اِن انسانوں کی عقل و نفس، رُوح اور تن کی کشمکش میں رہتی ہے۔ پہلا گروہ جس کا بیان مستغرق مُطلق شُدہ میں تھا، اُن کا نفس، نفسِ مُطمئنہ ہے۔ دوسرا گروہ جس کا بیان ''قسم دیگر باخراں مُلحق شدند'' میں تھا اُس کا نفس، نفسِ امّارہ ہے۔ تیسرے گروہ کی کشمکش کو مجنوں اور اُس کی اونٹنی کے قصّے سے واضح کیا گیا ہے۔

عقل اور نفس کا مقابلہ، مجنوں اور اُس کی اُونٹنی کے جھگڑے کی طرح ہے

مجنوں کو معلوم ہوا کہ لیلیٰ آ رہی ہے تو وہ اُس کے استقبال کے لئے چلا۔ جس اونٹنی پر وہ سوار ہوا اُس کے بچّے کو گھر میں چھوڑ گیا۔ راستے میں اُس کی اور اونٹنی کی کشمکش شروع ہوئی۔ مجنوں چاہتا تھا کہ اونٹنی آگے بڑھے تا کہ لیلیٰ کا وصال ہو سکے۔ اونٹنی گھر کی طرف جانا چاہتی تھی تا کہ اپنے بچّے کے پاس پہنچے۔ مجنوں کو ذرا سی غفلت ہوتی تو اونٹنی پیچھے کو پلٹ جاتی۔ چونکہ مجنوں کا جسم عشق سے پُر تھا اس لئے وہ اونٹنی کی ایسی حرکت سے بے ہوش ہوا جاتا تھا۔ انسان کی عقل اُس کے ہر کام کی نگرانی کرتی ہے مگر مجنوں تو عشق میں بے عقل ہو چکا تھا۔ ناقہ کو ہوش تھا وہ جب دیکھتی کہ اُس کی مہار ڈھیلی ہے فوراً سمجھ جاتی کہ مجنوں غافل ہے اور وہ پیچھے کی طرف چل پڑتی۔ جب مجنوں کو ہوش آتا وہ دیکھتا کہ اونٹنی میلوں پیچھے واپس ہوگئی ہے۔ مجنوں اسی حالت میں کچھ عرصہ رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ دو مُتضاد سمتوں کے عاشقوں کا باہمی سفر طے نہیں ہو سکے گا۔ اونٹنی مجنوں کا راستہ کھوٹا کر رہی ہے اور مجنوں اونٹنی کے لئے خرابی ہے۔ مجنوں نے اونٹنی کو چھوڑ دیا اور خود چل پڑا۔

اِسی طرح جو شخص جسم کا ساتھ نہیں چھوڑے گا گمراہ ہی رہے گا۔ جان اور جسم کی بھی خواہشات جُداگانہ ہیں۔ اِن دونوں کا ساتھ نہیں نبھ سکتا۔ جان کی پرواز عالمِ بالا کی جانب ہے اور جسم کو زمین پسند ہے۔ جب تک انسان کی رُوح جسم کے ساتھ رہے گی مقصد حاصل نہ ہوگا۔ حکیم سُنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کم نہیں ہے۔ جب مجنوں، لیلیٰ کے عشق میں اونٹنی کو خیر باد کہہ سکتا ہے تو خدا کے عشق میں جسم کو اور اس کی سواری کو خیر باد کہہ دینا چاہیے۔ اللہ کے راستے کا گیند بن جا اور لڑھکتا ہوا اُس کے دربار تک پہنچ جا۔ اس سفر میں اِبتداءً تُو خود کوشش کرے گا پھر اللہ کی جانب سے کشش شروع ہو جائے گی۔ جذبِ خداوندی سے جو رفتار ہوگی وہ محض عطاءِ خداوندی ہے۔ یہ خدائی جذب، عام جذب نہیں ہے جو ہر راستے میں حاصل ہو جائے۔ یہ وہ جذب ہے جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی نے قائم کیا ہے اور اُن کے

کہ محمّد گفت بر دستِ صبا
جیسے محمّدؐ نے فرمایا کہ صبا کے ذریعے

از یمن می آیدم بوئی خدا
مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے

جانشینوں کو حاصل ہے۔

تنخواہ گھٹنے پر بادشاہ کو غلام کی شکایت

غلام کی انتہائی حماقت تھی کہ اُس نے شاہ کو غصے سے بھرا ہوا خط لکھا اور وہ بھی نازک مزاج شاہ کو۔

ایسی ہی مثال ہمارے جسم کی ہے۔ اس کو خط سمجھو اور دیکھو کہ یہ شاہ کے پاس جانے کے لائق ہے یا نہیں۔ اس خط کو غور سے پڑھ کہ عبارت شاہ کے مناسب ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو خط پھاڑ دے۔ دوسرا لکھ اور تدبیر کر۔ جسم کے اس خط کو کھولنا اور پڑھنا آسان نہیں ہے۔ اپنے جسم کے خط کو مخصوص لوگ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ عوام کو اپنے دلوں کے رازوں کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ ہم اپنے نیک کاموں کی فہرست پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں جس میں صرف عنوانات ہوتے ہیں یعنی ظاہر کا اعتبار کر لیتے ہیں۔ یہ عنوانات عوام کو پھنسانے کا جال ہے۔ وہ خط کے مضمون کو بھی عنوان جیسا سمجھ بیٹھتے ہیں یعنی باطن کو ظاہر جیسا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا زبانی اقرار عنوان ہے۔ اصل ایمان تو دل میں ہے۔ اگر صرف زبانی ایمان ہے اور قلبی تصدیق نہیں ہے تو یہ نفاق ہے۔ جب تُو بادشاہ کے سامنے تحفہ میں کوئی بورا بھرا ہوا لے جا رہا ہے تو کم از کم یہ دیکھ لے کہ اس میں کیا چیز ہے۔ اگر بادشاہ کے مناسب نہیں ہے تو بورا خالی کر لے اور اس میں وہ کچھ بھر لے جو بادشاہ کے مناسب ہو۔ یہ بُری بات ہوگی کہ تُو معمولی ریت کا بورا بھر کر لے جائے۔ اگر انسان اپنے جسم کو اخلاقِ حسنہ سے نہیں بھر سکتا تو کم از کم اتنا ہو کہ اخلاقِ رذیلہ سے وہ خالی ہو۔

ایک فقیہہ کی پگڑی کا قصّہ

ایک فقیہ چیتھڑے اپنی پگڑی میں بھرے ہوئے تھا تاکہ وہ بڑی نظر آئے۔ وہ حطیم (مسجد) میں ایک مجلس میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے باہر سے پگڑی کو خوب بڑا کیا اور سجایا۔ پگڑی کا ظاہر تو بہشت جیسا لیکن اندر کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھر کر دکھاوے کا نشان بنا دیا تھا۔ صبح صبح بڑی شان سے وہ مدرسے کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنی شان دکھا کر نذرانے وغیرہ حاصل کرے۔ راستے میں کوئی چور کھڑا تھا۔ وہ اُس کی پگڑی اُتار کر بھاگا کہ کافی کپڑا ہاتھ لگے گا۔ فقیہ نے اُسے آواز دی کہ اے بیٹا! اسے پہلے کھول کر دیکھ تو لے پھر لے جانا' یہ پگڑی میں نے تجھے بخش دی۔ اُس نے بھاگتے بھاگتے پگڑی کو کھولنا شروع کیا تو چیتھڑے بکھر گئے اور چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا بچ گیا۔ چور نے کپڑے کے ٹکڑے کو زمین پر پھینک دیا اور فقیہ پر ناراض ہونے لگا کہ اگر میں تیری پگڑی کے پیچھے نہ پڑتا تو کوئی اچھی چیز چُرا لیتا۔ یہ تُو نے کیا فریب کیا ہے؟ فقیہ بولا: ٹھیک ہے ابتداء میں تجھے دھوکا لگا لیکن آخر میں تو میں نے تجھے سمجھا دیا تھا۔ یہ دُنیا بھی اوّل مکر کرتی

ہے لیکن آخر میں اپنے عیب ظاہر کر دیتی ہے۔
دنیا عالمِ کون وفساد ہے۔ اس میں بناؤ بھی ہے اور بگاڑ بھی ہے۔ بناؤ فریب دیتا ہے تو بگاڑ اس کا عیب ظاہر کر دیتا ہے۔ دُنیا کا بناؤ اور حسن انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو بگاڑ اس کی بے ثباتی ظاہر کرتا ہے۔ وہی لڑکا جو جوانی میں اپنے حُسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا بنتا ہے بڑھاپے میں بے عقل ہو کر رُسوا ہوتا ہے۔ روغنی اور مزیدار غذائیں فضلہ بن کر بدبو پیدا کر دیتی ہیں اور زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ میری پہلی حالت جال کا دانہ تھی۔ تُو پھنس گیا تو دانہ غائب ہو گیا۔ بڑے سے بڑا بہادر بڑھاپے میں ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اِس لئے انسانوں کو دُنیا کے بناؤ کے بعد بگاڑ کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ دُنیا کا بگاڑ ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس کا بناؤ انسان کے لئے جال ہے۔ انسان کا یہ عذر بے کار ہے کہ دُنیا نے فریب دیا۔ تمام اجزائے عالم کا یہی حال ہے کہ اُن کی ابتداء بناؤ ہے اور انجام بگاڑ پر ہے۔ دُنیا کے انجام پر جو نظر رکھے گا وہ نیک بخت ہے۔ ہر چیز کے آغاز اور انجام کو دیکھ لے۔ شیطان کی طرح یہ نہ کر کہ کچھ دیکھ لے اور کچھ نہ دیکھے۔ اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کا ایک جُزو دیکھا دوسرے پر نظر نہ کی، جسم کو دیکھا رُوح کو نہ دیکھا۔ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اُن کی عاقبت بینی کی وجہ سے ہے۔ اگر طاقت کی وجہ سے ہو تو انسان سے شیر اور ہاتھی افضل ہونے چاہئیں۔
دنیا کے عروج وزوال پر ہمیشہ نظر رکھو۔ دُنیا کی ناپائیداری سے سبق حاصل کر کے متقی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ دُنیا کے جاہ وجلال پر بدبخت فریفتہ ہوتے ہیں۔ دُنیا کے عروج وزوال کی آواز سُن۔ زوال کی آواز کہتی ہے کہ دُنیا کی رونق ختم ہونے والی ہے۔ دُنیا کی رونق اپنی طرف بلاتی ہے اور اُس کا زوال کہتا ہے کہ میرے قریب نہ آ۔ اگر انسان دُنیا کی ایک آواز قبول کر لیتا ہے تو دوسری آواز سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ ایک آواز کہتی ہے میری رونق دیکھ، دوسری آواز کہتی ہے دُنیا کے انجام کو دیکھ لے۔ اگر اُس نے صرف آغاز کی ہی آواز سُنی تو وہ اُس کے دل میں گھر کر لے گی اور پھر وہ انجام کی آواز سُننا پسند نہیں کرے گا۔ انسان جب آغاز پر فریفتہ ہوتا ہے تو انجام سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔
نظامِ عالم، جذب پر قائم ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ کفر، کافر کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ نیکی، نیکوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ معنوی کشش اور جذب ہے، ظاہری کشش کو بھی دیکھ لے کہ کہربا کاغذ کو اور تنکے کو کھینچتی ہے۔ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ تم میں جیسی صلاحیت ہوگی اُسی طرف سے تمہارے لئے کشش ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی کشش فرعون اور ہامان کی طرف نہیں ہے وہ اُن کو اچھے نہیں لگتے۔ گدھے کے معدے کو گھاس کی کشش ہے۔ اچھوں کی صحبت

از اویسؒ و از قرن بُوئے عجب	آں نبی را مست کرد و پُر طرب
اویسؒ اور قرن سے عجیب خوشبُو نے	اُس نبی کو مسرور اور مست کر دیا

اختیار کرنے کے لئے اُن کی کشش کو دیکھ لو کہ کس طرف ہے۔ اُن کی کشش کا تمہیں پتہ نہ چلے تو اُن کے شیخ کی کشش کو دیکھ لو اور اچھائی اور برائی کا فیصلہ کر لو۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے' اُس کی غذا بدن کے اشرف حصے سے حاصل ہوتی ہے۔ عارفِ باللہ' اشرف المخلوقات میں فردِ اعلیٰ ہے۔ اُس کو غذا اللہ کی جانب سے ملتی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صدیقین کو اللہ سے براہِ راست غذا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقسیم میں کسی پر جبر بھی نہیں ہوا اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوا ہے۔ اپنی صلاحیت کے مطابق جب انسان کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اُس کو شرمندگی ہوتی ہے۔ اگر جبر ہو تو پھر یہ شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔ ظالم' مظلوم کا نگہبان نہیں ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کا نگہبان ہے' رزق مہیا کرتا ہے' صحت دیتا ہے۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ جب دربارِ خداوندی میں آنا جانا ہو تو اپنی حالت کو مدِ نظر رکھو۔

دُنیا سے دھوکہ کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب

جن لوگوں کو منِ جانب اللہ غذا حاصل ہوتی ہے اُن کے بالمقابل گروہ کا اب تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک دُنیا دار شیخ کی مکاری بجلی کی کوند کی طرح ہے جس کے ذریعے راستہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ اہل اللہ میں کبھی باہمی مخالفت نہیں ہوتی۔ وہ ایک دوسرے کا مال یعنی کمالات نہیں چھینتے۔ عالمِ آخرت کی نعمتیں ناقابلِ زوال ہیں اور اُس کی خوشی کبھی غم میں تبدیل نہیں ہوتی ہے۔ دنیا دار اپنے نفس کے بندے ہیں اور نفس بے وفا ہوتا ہے اس لئے دنیا دار بھی بے وفا ہوتے ہیں۔ نفس کا قبلہ فسق و فجور ہے۔ دنیا دار خواہ کتنا ہی ذہین ہو جب وہ آخرت سے غافل ہے تو مردہ ہے۔ دنیا دار کو جب کبھی ہدایت میسر آتی ہے تو یوں سمجھ لو کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ نفس انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتا ہے اور یقین دلاتا رہتا ہے کہ عمر دراز ہے' آئندہ نیکی کرنے کا موقع ہے' فی الحال دُنیا کے مزے اُڑا لو۔

وہ آواز تلاش کر جو کبھی گمنام نہ ہو اور وہ نور حاصل کر جس کے لئے غروب ہو جانا نہیں ہے اور وہ نور صرف اہلِ حق کے پاس ہے۔ اِس دُنیا کی ساری شان و شوکت اگرچہ انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن موت اُن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سمجھو جس نے جادوگروں کی جادوگری کو نگل لیا۔ اِسی طرح موت اُن تمام ہنرمندیوں کو نگل جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس معجزے سے دُنیا کی تاریکی چھٹ گئی تھی اور نورِ خداوندی اس تاریکی کو نگل گیا تھا۔ خدا کے اِس نورِ مطلق میں اُس تاریکی کو نگل جانے سے کوئی اضافہ نہ ہوا وہ پہلے ہی کامل و مکمل تھا۔ تمام دُنیا کا ایمان لانا خدا کی خدائی میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ کائنات کو اللہ نے اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ اُس کے پہچاننے کی نشانیوں میں اضافہ ہو جائے۔ وہ

چوں اویسؒ از خویش فانی گشتہ بود
چونکہ اویسؒ نے اپنے آپ کو فانی کر دیا تھا

آں زمینے آسمانے گشتہ بود
وہ زمین آسمان بن گئی تھی

فرماتا ہے کہ "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تب میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔ ذات اور نشانیوں کے اِضافے میں فرق ہے۔ کسی ذات میں اِضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے وہ ناقص تھی۔ ذاتِ قدیم حدوث اور نقصان سے بالا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون مشکل ہے لیکن تُو ستّارہ ٔ اللہ سمجھنے کی توفیق دے دے گا۔ معارف اور حقائق کے نکتے اللہ ہی کی توفیق سے سمجھ میں آتے ہیں۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا دِل میں ڈرنا اور اللہ کا فرمانا "تُو نہ ڈر یقیناً تُو اعلیٰ ہے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی وجہ جادوگر یا سانپوں کا خوف نہ تھا بلکہ یہ بات تھی کہ لوگ جادو اور مُعجزے میں فرق نہ کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے معجزوں کو ظاہر کردوں گا اور لوگ تیرے معجزوں اور جادو میں فرق سمجھ جائیں گے۔ میں مومنوں کے ایمان میں اِضافہ کردوں گا۔ جادوگروں کا تمام جوش وخروش کافور ہوجائے گا اور تمہیں غلبہ نصیب ہوگا۔ چنانچہ عصا کے مُعجزے کے بعد بڑے بڑے جادوگروں کی کاری گری حقیر اور ذلیل کردی گئی۔ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی ہُنر باعثِ فخر رہا ہے لیکن مُعجزے کے سامنے سب ہُنر ماند پڑ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَور میں طِب کا زور تھا جو اُن کے دَم کے سامنے بے کار ہوگئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا جو قرآن کے سامنے ماند پڑ گئی۔ جادوگری کی شُہرت اب بصورتِ لعنت اور مُعجزے کی شُہرت بصورتِ رفعت وبلندی اب تک باقی ہے۔

کھوٹے کی رونق صرف اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک کسوٹی نہ ہو۔ کسوٹی کے سامنے وہ بے رونق ہوجاتا ہے۔ یہی حال مُعجزوں کے مقابلے میں اُن ہُنرمندوں کا ہوا۔ جب کسوٹی نہ ہو تو کھوٹا کھرے کی برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر گنہگار اپنے گناہوں پر زندگی میں نادم ہوجاتا ہے تو آخرت میں بدبختی سے نجات پاجاتا ہے اور توبہ کرکے اللہ کی رحمت کا اُمیدوار بن جاتا ہے۔ جب انسان اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو رحمتِ خداوندی اُس کی دل شکستگی کو رفع کردیتی ہے۔ جس نے آخرت کو پیشِ نظر رکھا رحمتِ خداوندی اُس کی دستگیری کرتی ہے۔ اُن لوگوں کے رُتبے جنہوں نے آخرت کا دھیان رکھا عوام کی جان اور آنکھ کے لئے باعثِ رشک ہیں۔ دُنیا میں ہر کھری چیز کی صورت میں ایک کھوٹی چیز بھی ہوتی ہے۔ جس میں دونوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اُس کی تباہی یقینی ہے۔ جھوٹے شیخ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی پیروی کریں تو راہِ راست حاصل کرسکتے ہیں۔

کہ نگنجیدم دَر افلاک وخلا
اللہ فرماتا ہے کہ میں آسمانوں اور خلا میں بھی نہیں سما سکتا

دَر عقول و دَر نفوسِ باعُلا
نہ ہی عقلیں اور نفوس میرا ادراک کرسکتے ہیں

جھوٹے مُدّعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی پیروی کا حکم دینا

مسیلمہ کذاب نے آنحضور ﷺ کی نقل میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ چند لوگ اُس کے گرویدہ بھی ہو گئے لیکن چونکہ کھوٹا تھا ذِلّت کے ساتھ مارا گیا۔ یاد رکھ ہمیشہ کسی بھلے کی پیروی کر جسے دُنیا کا مال جمع کرنے کا لالچ نہ ہو۔ وہ سچا آدمی تجھے بتائے گا کہ کس طرف نجات ہے اور کس طرف تباہی ہے۔ بعض جھوٹے شیخوں نے سچے شیخوں کی چند باتیں رٹ لی ہیں لیکن حقیقت سے محروم ہیں۔ اگر کوئی ہُد ہُد کی بولی سیکھ بھی لے تو اُس کے پاس وہ نازِ سلیمانی کہاں ہے جو ہُد ہُد نے بلقیس کو سبا میں جا کر دکھایا تھا۔ حقیقی پَروں سے اُڑنے والے اور فرضی پر لگانے والے میں امتیاز کرنا چاہیے۔

پہلی اُمتوں پر ہلاکت اِسی وجہ سے آئی کہ اُنہوں نے صحیح رہنما اور غلط رہنما میں امتیاز نہ کیا۔ اللہ نے اُن کو امتیاز کرنے کی قوت دی تھی لیکن اُن کی حرص وطمع نے انہیں اندھا اور بہرا بنا دیا۔ اگر حقیقی اندھا ہو تو اللہ کی رحمت اُس کی دستگیری کرتی ہے اور اگر لالچ کا اندھا ہو تو اُس کی مغروری ناقابلِ معافی ہے۔ انسان خود اپنے حسد کی وجہ سے سزا اور تکلیف میں مبتلا ہو تو اُس کی معافی نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اُس کے آغاز اور انجام دونوں کو دیکھے۔ جو صرف دُنیا کا بھلا دیکھتا ہے گویا وہ ایک آنکھ والا ہے۔ انسان کی آنکھ کو حیوانات کی آنکھ پر یہی فضیلت حاصل ہے کہ انسان انجام پر بھی نگاہ رکھ سکتا ہے۔

روزی کی طلب میں غُلام کے رُقعہ لکھنے کا بقیہ قِصّہ

وہ غلام بادشاہ کو رُقعہ لکھنے سے پہلے داروغۂ مطبخ کے پاس گیا کہ کچھ کھا لے۔ داروغہ نے اسے کم دیا، وہ بولا: اے کنجوس! اَخی بادشاہ کے لنگر سے تُو مجھے کم دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میری روزی پر بادشاہ کا دھیان ہو اور وہ کم کرنے کا حکم دے۔ داروغہ نے بہر چند سمجھایا کہ تیری روزی شاہی حکم سے کم کی گئی ہے لیکن وہ نہ مانا اور بولا کہ یہ تُو نے اپنے ارادے سے کیا ہے۔ داروغہ بولا: تیر کو نہ دیکھ چلانے والے بازو کی طرف توجہ کر۔ جنگِ بدر میں حضور ﷺ نے ایک مُٹھی مٹی پھینکی تو اللہ نے فرمایا کہ یہ مَیں نے پھینکی ہے۔ یہ بات انتہاءِ قرب کی وجہ سے کہی گئی۔ جو لوگ قربِ فرائض سے ناواقف ہوتے ہیں وہ حقیقت اور مجاز کی فضول بحث میں پڑ جاتے ہیں۔

داروغے سے جھگڑنے کے بعد وہ غلام گھر گیا اور بادشاہ کو غصّے سے بھرا ہوا خط لکھا۔ اُس نے خط میں بادشاہ کی تعریف کی کہ تیری سخاوت اَبر سے بھی بڑھی ہوئی ہے لیکن وہ جو کچھ دیتا ہے روتے ہوئے دیتا ہے۔ بظاہر خط میں تعریف

کی گئی تھی لیکن اُس میں غصے کی بُو موجود تھی۔ انسان کے اعمال اگر حُسنِ نیت سے خالی ہوں تو بے رونق ہوتے ہیں، جیسے کہ اُس غلام کی تعریف تھی۔ اگر دل میں عداوت ہو اور زبان پر تعریف ہو تو اپنی تعریف سے ممدوح خوش نہیں ہوتا۔ انسان دل کی صفائی کے ساتھ اَلْحَمْد پڑھے اور تعریف کرے تو تیزی سے مراتب عالی حاصل کر سکتا ہے۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

''زبان پر تسبیح اور دل میں گائے یا گدھے کا خیال ہو تو اس طرح کی تسبیح کا کیا اثر ہوگا''۔

حدیثِ قدسی ہے کہ ''اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے''۔

تعریف کی حکایت جو آبرو کی خاطر کی جائے اور اُس کی باطنی بُو جو ظاہر ہو رہی تھی

اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ تعریف کرنے والے کی زبان پر تعریفی کلمات تھے لیکن دل شکر گزاری سے خالی تھا۔ اُس نے بظاہر خلیفہ کی تعریف لکھی۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ تیری خراب حالت اس بات کی گواہ ہے کہ تُو جھوٹ بول رہا ہے۔ تُو کہتا ہے کہ شاہ نے تجھے دس شاہی جوڑے دیے لیکن تیرا ننگا بدن گواہی دے رہا ہے کہ شاہ نے تجھے کوئی خلعت وغیرہ نہیں دی۔ اگرچہ تیری زبان خلیفہ کی تعریف کر رہی ہے لیکن تیرے اعضاء اس خلیفہ کی شکایت کر رہے ہیں۔ وہ بولا: جو کچھ مجھے شاہ سے ملا میں نے خیرات کر دیا اور اُس کے عوض اللہ سے عُمرِ دراز خرید لی۔ لوگوں نے کہا: تجھے اِس عظیم کام پر مُبارک ہو کہ دُنیا کا مال دے کر عمرِ دراز حاصل کر لی لیکن اگر تُو نے اللہ کی رضامندی اور عشق میں تمام مال خیرات کر دیا ہے تو اُس کی کوئی علامت تجھ میں ظاہر ہونی چاہیے، جو نظر نہیں آتی۔ پانی بہہ کر نکلتا ہے تو کچھ نشانات ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ تیرے چہرے کی تُرشی بتا رہی ہے کہ تیرا ایا کبازی کا دعویٰ گپ ہے۔

اگر طبیعت میں ایثار کا مادہ ہو اور انسان کا کردار صحیح ہو تو اُس کے سینکڑوں آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ ایثار کا مادہ موجود ہو تو دل میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے راستے میں انسان ایثار کرے اور نیک نیت ہو تو نتائج اور آثار یقیناً نمایاں ہوں گے۔ اگر اللہ کی زمین میں ایک دانے کے سو نہ اُگیں تو پھر اللہ کی زمین کو وسیع کس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے۔ مومن کا دل اللہ کی سرزمین ہے۔ دُنیا کی فانی زمین جب پیداوار دیتی ہے تو اللہ کی زمین کیسے پیداوار نہ دے گی اور دل میں نیکی کا بیج بونے سے اس کے ثمرات کیسے نہ ظاہر ہوں گے۔ قرآن میں ہے کہ ''جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے

ہیں اُن کی خیرات کی مثال اُس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر میں سو دانے ہوں" کوئی عارف باللہ جب اللہ کی تعریف کرتا ہے تو اُس کے اعضاء اُس کی گواہی دیتے ہیں۔ اُس عارف کو اللہ کی تعریف اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیتی ہے۔ اُس کے اعضاء پر انوار و برکات رونما ہو جاتے ہیں۔ یہ حمد اِس عارف کو دُنیا سے نجات دلا کر جنتی بنا دیتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ جنت کے باغوں اور نہروں میں سچّی (عزت کی) جگہ بادشاہ قادر کے مقرّب ہوں گے" باغ کی حمد اُس کی بہار ہے اور اُس بہار کے گواہ اُس کی پیداوار اور چشمے وغیرہ ہیں۔ یاد رکھو! جب منہ سے پیاز کی بُو آ رہی ہو تو مشک کھانے کی شیخی نہیں بگھارنی چاہیے۔

انسان کا دل بڑے گھر کے مشابہ ہے۔ دل کے گھر کے چُھپے ہوئے پڑوسی ہیں۔ دل کی کھڑکی کے شگاف سے وہ دل کے راز دیکھ لیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ "بے شک وہ شیطان اور اُس کی ذُریات تم کو دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم اُنہیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو اُن کا یار بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ہیں" اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اپنے کشف کے ذریعے دل کے اَحوال معلوم کر لیتے ہیں۔ جب شیاطین دل کی بات جان لیتے ہیں تو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کیوں نہ جان لیں گے۔ اگر انسان خود اُن کمالات سے محروم ہے تو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو محروم نہ سمجھے جبکہ بدنی اطبّاء علامتوں کے ذریعے امراض کو پہچان لیتے ہیں تو رُوحانی اطبّاء علامات کے ذریعے رُوحانی امراض کو کیوں نہ جان سکیں گے بلکہ ان کو تو ظاہری علامات کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

خُدائی طبیبوں کا دِل اور دین کی بیماریاں لہجے، چہرے، آنکھوں کی رنگت اور دِل کے راستے سے پہچان لینا کہ وہ دِل کے جاسوس ہیں، اُن کی ہم نشینی سچائی سے کرو

جسمانی اطبّاء پیشاب کو دیکھ کر امراض کی پہچان کر لیتے ہیں۔ وہ نبض، رنگت اور سانس کے ذریعے بیمار کی تشخیص کر لیتے ہیں۔ رُوحانی اطبّاء کو علامات کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ رُوحانی طبیب تو انسان کی پیدائش سے قبل ہی اُس کی اندرونی کیفیت معلوم کر لیتے ہیں۔ یہ بات اِس لئے کی گئی ہے کہ حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل ہی اُن کے اَحوال معلوم کر لئے تھے اور لوگوں کو بتا دیئے تھے۔

ہست از رُوئے بقائے ذات اُو
اُس کی ذات کی بقا کے اعتبار سے وہ "ہے"

نیست گشتہ وصفِ اُو در وصفِ ھُو
اُس کی صفت، صفتِ خداوندی میں گم ہے

حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے بارے میں سالوں قبل خوشخبری دے دینا اور تاریخ نویسوں کا اُس کو لکھ لینا

حضرت بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام طیفور ہے۔ اسی لئے اُن کے سلسلے کے لوگ طیفوری کہلاتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو ہم میں وہی نسبت ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرشتوں میں ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے 72 سال کی عمر میں بسطام میں وصال فرمایا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ' سلطان محمود غزنوی کے دَور کے بزرگ ہیں۔ رُوحانیت اور اویسیت کے طور پر اُن کو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ 424ھ میں خرقان میں وصال فرمایا۔

ایک دن حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ مقام رے کی اطراف میں خرقان کی جانب سے اُنہیں خوشبو آئی۔ اُس خوشبو نے اُنہیں مَست کر دیا۔ اُن کی جان ہوا میں سے شراب پی رہی تھی۔ جب ہوا میں پانی موجود ہوتا ہے تو رُوح مَستی کے لئے ہوا سے شراب بھی حاصل کر سکتی ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے وہ ہوا جو خوشبو لاتی تھی پانی بن گئی اور پانی میں وہ کیفیت پیدا ہو گئی جو شراب میں ہوتی ہے۔ مرید نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کیا سونگھ رہے ہیں؟ بظاہر کوئی پھول بھی نہیں ہے اور آپ پر عجیب و غریب کیفیات طاری ہو رہی ہیں۔ ویسے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دُور سے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ جو اَحوال اس وقت آپ پر طاری ہیں اُن کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آپ نے ہمیں ایسے اَحوال کا عادی نہیں بنایا ہے کہ آپ خود تنہا مُستفید ہوں اور ہم محروم رہیں۔ شراب چھپ کر نہیں پی جا سکتی' اُس کا یقیناً اظہار ہو جاتا ہے۔ انسان اگر منہ کی بُو چُھپا لے تو آنکھوں کی مَستی کیسے چُھپائے گا؟ شراب معرفت کی مَستی تو لاکھوں پردوں میں بھی نہیں چھپ سکتی۔ اُس شراب کی خوشبو سے جنگل اور صحرا تو بھرا ہوا ہے ہی اُس کی خوشبو تو آسمانوں سے بھی گزر گئی ہے۔ اُس شراب کے مٹکے کے منہ کو مٹی سے بند نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی باطنی توجہ نے معرفت کا جو راز حاصل کیا ہے وہ ہمیں بھی بتا دیجئے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث مُبارکہ ہے کہ ''میں رحمان کے سانس کو یمن کی جانب سے محسوس کر رہا ہوں'' عاشق جب اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے تو اُس میں سے معشوق کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اسی طرح حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ میں سے اللہ کی خوشبو آتی تھی۔ فنا کے بعد انسان اللہ کے اخلاق والا ہو جاتا ہے اور زمین سے آسمان بن جاتا

صنع بیند مرد محجوب از صفات
افعال وہ دیکھتا ہے جو صفات کے حجاب میں ہو

در صفات آنست کو گم کرد ذات
صفات میں مقید ہے جس نے ذات کو گم کر دیا ہو

ہے۔ ہرڑ کا جب مربہ بن جاتا ہے تو وہ اپنی خوشبو اور ذائقے سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ جو شخص فنا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو اُس کی خودی اور انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ اِس بات کا خاتمہ نہیں ہے تو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اِس غیبی بات کا کیا جواب دیا: یہ سُن۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا جواب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے ہم معنیٰ تھا کہ میں یمن سے رحمٰن کی سانس محسوس کر رہا ہوں

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتنے سال کے بعد گاؤں خرقان میں ایک بزرگ پیدا ہوگا جس کا مرتبہ بہت بلند ہوگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی انکساری سے فرمایا کہ اُن کا رُتبہ مجھ سے بڑھا ہوا ہوگا۔ اُنہوں نے پیدا ہونے والے بزرگ کا پورا نام اور حلیہ بتا دیا۔ اُس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ یاد رکھو! انسان تین چیزوں کا مرکب ہے۔ جسم، رُوحِ حیوانی اور رُوحِ انسانی۔ پہلی دونوں چیزیں فانی ہیں اور اُن کا حلیہ بھی فانی ہے اِس لئے اُن سے دل نہ لگانا چاہیے۔ رُوحِ انسانی جس کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے ہے اُس سے وابستگی ہونی چاہیے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اُس بزرگ کا جسم زمین پر چراغ کی طرح ہوگا۔ اِس بات کو کہ اُس شاہ کا جسم زمین پر ہوگا اور نور آسمان تک ہوگا مثالوں سے سمجھ لو۔ سورج آسمان پر ہے اور اُس کا نور ہر گھر میں ہے۔ پھول ناک کے پاس ہوتا ہے اور اُس کی خوشبو دماغ کے اندر محسوس ہوتی ہے۔ ایک شخص اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے اُس کی رُوح عدن میں کسی خوفناک چیز کو دیکھتی ہے اور اِس سے جسم پر پسینہ آ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر میں تھی اور اُس کی خوشبو کنعان میں پہنچ رہی تھی۔

لوگوں نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کے مطابق حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش لکھ لی۔ چنانچہ اُسی لکھی ہوئی تاریخ پر ہی اُن کی پیدائش ہوئی جو حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی تھی۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دو سو سال بعد حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے اوصاف کیوں صحیح نہ ہوتے اُنہوں نے لوحِ محفوظ سے پڑھ کر بتائے تھے۔ اُس لوح کو لوحِ محفوظ اِس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہوا غلطی سے محفوظ ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اِن باتوں کی خبر وحیِ الٰہی سے ہوئی۔ صوفیا اُسے وحیِ دل کہتے ہیں۔ ہم اُسے وحیِ دل ہی تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ دل جو خدا کا منظورِ نظر ہو اُس کی بات کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتی۔ مومن کو جب وہ مرتبہ حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعے دیکھنے لگے تو اُس کی صوابدید غلطی سے محفوظ ہوتی ہے۔

واصلاں چوں غرقِ ذات اند اے پسر
اے بیٹا! چونکہ واصل لوگ ذات میں مستغرق ہیں

کے کنند اندر صفاتِ اُو نظر
تو وہ اللہ کی صفات کی طرف نظر نہیں کریں گے

اُس غلام کی روزی کی کمی کی حکایت کی طرف رجوع اور اُس کا بیان کہ صوفی کے دل و جان کی روزی خدائی کھانے سے ہوتی ہے

جب کوئی صوفی فقر کے غم میں مبتلا ہوتا ہے تو خود رزق اُس کو حاصل ہونے لگتا ہے۔ جنت اُنہی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جو نفس کو ناگوار گزرتی ہیں۔ خدا کی رحمت عاجز اور شکستہ دل پر نازل ہوتی ہے۔ متکبر اور مغرور پر خدا اور خلقِ خدا رحم نہیں کرتی ہے۔ جس صوفی پر رزق کی تنگی ہو وہ لائق مُبارکباد ہے۔ قریب ہے کہ وہ موت بلکہ دریا بن جائے۔ فقر کے بعد جو خدائی رزق حاصل ہوتا ہے جب صوفی اُس کی حقیقت کو سمجھ جاتا ہے تو اُس کو قربِ خداوندی حاصل ہو جاتا ہے۔ اب جسمانی رزق کی فراخی سے وہ خدائی رزق گھٹتا ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر لرزنے لگتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُس رزقِ خداوندی کی کمی کسی خطا اور قصور کی بنا پر ہوئی ہے۔ وہ اُس غلام کی طرح پریشان ہوتا ہے جس نے جسمانی روزی گھٹنے کا رُقعہ لکھا۔ اُس غلام نے شاہ کو رُقعہ لکھا اور شاہ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور کہا کہ اُس بے وقوف کو صرف روزی گھٹنے کا درد ہے اور جس بنیاد پر روزی گھٹی اِس کا کوئی خیال نہیں ہے۔ اُس کو میرے وصل اور فراق کا کوئی درد نہیں۔ لہٰذا ایسے احمق کا جواب خاموشی ہے۔ یعنی روزی کے بارے میں لکھا اور روزی دینے والے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی یہ خودی اور اَنا میں مبتلا ہے، روزی کی فکر میں لگا ہے، روزی دینے والے سے غافل ہے۔ یہ فرع کا فکر کرتا ہے لیکن اصل سے غافل ہے۔

اِس عالَم کو ایک سیب سمجھو اور انسان کو اِس کے اندر کا کیڑا اور کیڑوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کیڑا تو وہ ہے جو فرع اور سیب میں مشغول ہے اور اصل یعنی درخت اور باغبان سے غافل ہے۔ دوسرا وہ ہے جو اگرچہ سیب کے اندر ہے لیکن درخت اور باغبان سے واقف ہے۔ اُس کیڑے میں اِس قدر طاقت ہوتی ہے کہ وہ سیب کو پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور حجابات اُس کی نظر میں ہیچ ہوتے ہیں۔ یہ بظاہر کیڑا ہے لیکن حقیقتاً اژدھا ہے۔ یہ دوسری قسم باخدا لوگوں کی ہے جو دُنیا سے گزر کر آخرت تک پہنچتے ہیں۔ ایسے انسان میں ابتداءً یہ طاقت نہیں ہوتی بلکہ مشائخ کی مدد اور محبت سے یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ چنگاری جو لوہے سے نکلتی ہے ابتداءً کمزور ہوتی ہے لیکن جب روئی اور گندھک کی مدد اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو اُس کے شعلے آسمان تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ انسان بھی ابتداءً دنیاوی مشاغل میں لگتا ہے لیکن اولیاء رحمہم اللہ کی مدد سے ملائکہ سے برتر ہو جاتا ہے۔ پھر اُس میں اتنا نور اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ دُنیا کو روشن کر دیتا ہے اور لوہے کے شہتیر کو سوئی سے اُکھاڑ سکتا ہے۔ یہ آگ جس کے شعلے آسمان تک پہنچے نہ رُوح ہے نہ رُوحانی، پھر بھی اُس کی پہنچ آسمان تک ہوگئی تو پھر رُوح اور رُوحانی کی طاقت کا اندازہ کرلو۔

آب خواہ از جُو بجُو یا از سبو
پانی خواہ نہر سے لے یا مٹکے سے

کیں سبُو را ہم مدد باشد زجُو
کہ اِس مٹکے کی مدد بھی تو نہر سے ہی ہے

جسم پر رُوح کی شرافت کو اِس سے سمجھ لو کہ جسم کی پرورش رُوح کرتی ہے۔ بغیر رُوح کے جسم کس قدر ذلیل شے ہے کہ اُسے مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ جسم کی وسعت دو گز سے زیادہ نہیں ہے لیکن رُوح کی پہنچ آسمانوں تک ہے۔ تم اپنی جگہ میں ہو رُوح کے لئے بغداد اور سمرقند تک پہنچ جانے کے لئے نصف قدم کی ضرورت ہے۔ آنکھ کی چربی کو دیکھو خود تو وہ سات ماشہ سے زیادہ نہیں ہے لیکن اُس کا نور آسمان تک جاتا ہے۔ نورِ چشم کا محتاج نہیں ہے بلکہ آنکھ نور کی محتاج ہے۔ رُوح کو جسمانی خواص کی ضرورت نہیں۔ جسم' رُوح کا محتاج ہے۔ یہ شان و شوکت تو ہم نے رُوحِ حیوانی کی دکھائی۔ رُوحِ انسانی جو اِس سے زیادہ قوی ہے اُس کو اِس پر قیاس کر لو۔ بحث سے گزر کر رُوح کے طالب بنو اور اُس رُوح تک پہنچو جو جبرائیل علیہ السلام کی جان ہے۔ جب یہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ترقی پر خوشی سے تعجب کریں گے اور جبرائیل علیہ السلام تمہارے مقام سے فروتر ہونگے۔ معرفت اور اَسرارِ معرفت کا بیان غیر محدود ہے۔ لڑکا بغیر جواب کے رنجیدہ ہے اُس کی بات بھی سنو۔

بادشاہ کی جانب سے رُقعہ کا جواب نہ آنے سے غلام کی پریشانی

رُقعے کا جواب نہ آیا تو غلام بہت پریشان ہوا کہ تعجب ہے' بادشاہ جواب کیوں نہیں دیتا؟ یا کہیں رُقعہ لے جانے والے نے خیانت نہ کر دی ہو اور وہ مُنافق ہو۔ اُس نے دوسرا خط لکھنے کے بارے میں سوچا کہ لکھتا ہوں اور کسی اور اچھے قاصد کو بھیجتا ہوں۔ اُس نے ساتھ ہی بادشاہ اور دوسرے سب لوگوں کو عیب دار قرار دیا۔ اُس نادان کو چاہیے تھا کہ پہلے اپنی خبر لیتا۔ دوسروں پر اِلزام دھرنے سے کیا فائدہ۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کے تخت پر اُن کی لغزش کی وجہ سے ہَوا کا ٹیڑھا چلنا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اِس قصے سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ غلام اپنی غلطی محسوس کر کے اُس کی تلافی کر لیتا تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ہوا ٹیڑھی چلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے ہوا! ٹیڑھی نہ چل۔ ہوا نے کہا کہ اے سلیمان علیہ السلام! آپ بھی ٹیڑھا نہ چلیں۔ اگر خود ٹیڑھا چلتے ہیں تو مجھ پر غصہ نہ کریں' انصاف کریں۔ قرآن پاک میں ہے: ''بُرائی کا بدلہ اُس جیسی بُرائی ہے''۔ جس طرح ہوا نے کجروی اختیار کی تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج بھی ٹیڑھا ہو گیا جس پر وہ رنجیدہ ہوئے۔ تاج نے اُن سے کہا کہ اے امانت دار! جب آپ کے دل میں مناسب خیال نہیں ہے تو میری بھی راست رَوی کی اُمید نہ رکھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً اپنے باطن کو ٹھیک کیا۔ اپنے خیال کی اصلاح کر لی اور دل میں جو خواہش

نُور خواہ از مہ طلب خواہی ز خور
روشنی چاند سے طلب کر یا سُورج سے

نُورِ مہ ہم ز آفتاب ست اے پسر
اے بیٹا! چاند کی روشنی بھی تو سُورج سے ہی ہے

پیدا ہوئی تھی اُس سے سُست پڑ گئے۔ اُس کے بعد اُن کا تاج فوراً سیدھا ہو گیا۔ پھر اُنہوں نے قصداً اُسے ٹیڑھا رکھا۔ وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اُنہوں نے آٹھ بار ایسا ہی کیا لیکن تاج سیدھا ہو جاتا۔ اُن کے سوال پر کہ تم خود سیدھے ہو جاتے ہو؟ تاج نے جواب دیا کہ جب آپ نے اپنے دل کو اُس نامناسب خیال سے صاف کر لیا ہے تو اب آگے کسی عمل اور جزا کے راز کو اور زیادہ واضح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اے اللہ! اگر میرے منہ سے تیری مرضی کیخلاف باتیں نکلیں اور غیب کے راز ظاہر کرنے لگوں تو میرا منہ بند کر دے۔

انسان کو جو تکلیف پہنچتی ہے دراصل وہ اُس کے کسی عمل کی سزا ہوتی ہے۔ اس لئے دوسروں پر الزام نہیں دینا چاہیے اور اِس غلام کی طرح نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے آپ کو ہی قصوروار سمجھنا چاہیے۔ اُس غلام کی اپنی غلطی تھی جس کی وجہ سے اُس کی روزی کم ہوئی تھی اور وہ دوسروں سے لڑتا تھا۔ فرعون نے بھی یہی غلطی کی۔ اُس کی سلطنت کی بربادی کا اصل سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جو اُس کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور وہ دوسرے بچوں کو قتل کروا رہا تھا۔ خطا تیرے نفس کی ہوتی ہے، تُو اُس سے خوش رہتا ہے اور دوسروں پر ناخوشی کا اظہار کرتا ہے۔ تُو بھی فرعون کی طرح ہے جو دشمن سے خوش تھا اور دوسروں کو ذلیل وخوار کر رہا تھا۔ انسان کی یہ فرعونیت ہے کہ اصل دشمن یعنی اپنے آپ کو بے قصور سمجھتا ہے اور دوسروں سے دشمنی کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے'' فرعون عقل میں دوسرے شہنشاہوں سے بڑھا ہوا تھا لیکن قضاءِ خداوندی نے اُس کو بے عقل اور اندھا بنا دیا تھا۔ اللہ کی مُہر بڑے سے بڑے عقل مند کو بے عقل جانور بنا دیتی ہے۔ بے عقلی کی خارش کی بیماری خدا کرے کافر کو بھی نہ لگے۔ قومِ نوح علیہ السلام کی حماقت کی وجہ سے طوفان آیا اور دُنیا برباد ہو گئی تھی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عقل مند کی تعریف اور احمق کی مذمت کرنا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے وقوف ہمارا دشمن اور عقل مند ہمارا دوست ہے'' خلاصہ یہ ہے کہ عقل مند اگر کوئی بُری بات بھی کہتا ہے تو اُس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے اور بیوقوف کی بھلائی میں بھی بُرائی ہے۔ بے وقوف سے محبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی گدھے کی مقعد کو بوسہ دے۔ اِس بوسہ سے تمہیں نقصان ہی ہوگا، بیکار کپڑے خراب ہوں گے۔ اصل دسترخوان عقل ہے جس سے انسان باطنی غذا حاصل کرتا ہے۔ نان اور کباب اگر احمق بھی پیش کرے تو وہ دسترخوان نہیں ہے بلکہ مضرت رساں ہے۔ اُس کا نان ونمک تمہیں بھی بے عقل بنا دے گا۔ اگر احمق کے دسترخوان سے پینے کی چیزیں ملیں تو وہ انسان کی شراب نہیں ہے۔ اصل شراب تو نورِ عقل ہے

در نمکسار ار خرِ مُردہ فتاد
نمک کی کان میں اگر گدھا گر کر مر گیا

آں خری و مُردگی یکسو نہاد
تو اُس کا گدھا پن اور مُردہ پن جاتا رہا سراپا نمک بن گیا

رُوح کی پرورش اُسی سے ہوتی ہے۔

اندروں از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی (شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

''اپنے پیٹ کو زیادہ کھانے سے خالی رکھ تاکہ اللہ کی معرفت کا نور اُس میں سے نظر آئے''۔

جسمانی غذاؤں میں اُسی نورانی غذا کا پَرتَو ہے کہ جو اُن میں لذّت آئی ہے۔ حیوانی جان اُس نورانی جان سے جان بنی ہے۔ نور کی رُوحانی غذا کا ایک لقمہ کھالو گے تو غذائے جسمانی ہیچ ہو جائے گی، پھر تم اُس کی طرف دھیان بھی نہیں کرو گے۔ عقل کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی عقل ہے جو درسگاہوں سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ عقل اگر حاصل ہو جائے تو دوسروں کی عقل سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ عقل کتاب، اُستاد اور علوم سے حاصل ہوتی ہے۔ اُس عقل کے حاصل ہونے پر انسان حفاظت کرنے والی تختی بن جاتا ہے لیکن لوحِ محفوظ جس کی حق تعالیٰ ہر قسم کی غلطی سے حفاظت کرتا ہے وہ اُس کے علاوہ ایک چیز ہے۔ عقل کی دوسری قسم وہ ہے جو خدا کی عطا ہے۔ اُس کا سرچشمہ درسگاہ اور اُستاد نہیں ہے بلکہ خود رُوح کے اندر اُس کا چشمہ ہے۔ اُس چشمے سے جو پانی آتا ہے وہ نہ گندہ ہوتا ہے نہ اُس کا رنگ بدلتا ہے۔ اگر کسبی عقل کی راہیں بند ہو جائیں تو اُس عقل والے کو کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خانۂ دل سے موجزن ہوتی ہیں۔ کسبی عقل جو دوسروں سے حاصل کی جاتی ہے اگر اُس کے حصول کا ذریعہ مفقود ہو جائے تو انسان بے سروسامان رہ جاتا ہے لیکن اندرونی چشمہ اُس آفت سے محفوظ ہے۔ اِس لئے عقل کے رُوحانی چشمے کی جستجو کرنی چاہیے تاکہ دوسروں کا احسان نہ اُٹھانا پڑے۔

ایک شخص کا دُوسرے سے مشورہ کرنا، دُوسرے کا کہنا ''کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ مَیں تیرا دُشمن ہُوں''

انسان جب تردّد میں ہوتا ہے تو وہ کسی طرف پیش قدمی نہیں کرتا ہے۔ جب کوشش سے ایک شخص مشورہ لینے دوسرے کے پاس گیا تو وہ بولا کہ کسی اور سے مشورہ کر لے کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں اور دشمن سے مشورہ کر کے کوئی کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ تجھے کوئی دوست تلاش کر کے اُس سے مشورہ کرنا چاہیے۔ دوست، دوست کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ دوستوں کی محفل میں بھٹی بھی باغ بن جاتی ہے اور دشمنوں کی صحبت باغ کو بھٹی بنا دیتی ہے لیکن خود غرضی کر کے دوستوں کو دشمن نہیں بنانا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اللہ کی رضا کی خاطر بھلائی کرو۔ اگر مقصد بھی نہ ہو تو اپنی راحت کی خاطر دوسروں سے بھلائی کرو۔ جب لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو گے تو وہ تمہارے دوست بن جائیں گے اور تمہارے دل میں تکلیف دہ خیالات نہ آسکیں گے۔ اگر تُو سب کو دوست نہیں

بنا سکتا تو پھر مشورہ کسی خالص دوست سے کر۔

مشورہ لینے والے نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تُو میرا دشمن ہے لیکن تُو انسان ہے اور عقل مند ہے اور مُہمل نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تیری عقل تجھے میرے ساتھ کجروی نہ کرنے دے گی۔ عقل والوں کا طبعی تقاضا اگرچہ دشمن سے بدلہ لینے کا ہوتا ہے لیکن اُن کی عقل اُن کی طبیعت اور نفس پر غالب آ جاتی ہے۔ عقل ایک مُصف کوتوال ہے اور دل کے خیالات پر حاکم ہے۔ عقل کی مثال بلی کی سی ہے اور نفس، چوہے کی طرح ہے۔ اگر نفس کا غلبہ ہے تو سمجھو وہاں عقل نہیں ہے اور اگر ہے تو مردہ ہے۔ ہم نے عقل کو بلی قرار دیا۔ یہ غلطی تھی، عقل تو شیر اور شیر افگن ہے۔ انسان میں لامحالہ نفسانی قوتیں ہوتی ہیں۔ عقل کے بھروسے پر اُن سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ بس اِس قدر ہے کہ اگر عقل ہوتی ہے تو وہ قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں لیکن بالکل فنا نہیں ہوتیں۔ اے کامل انسان! تُو ہی عقل کی عقل اور جان کی جان ہے۔ معراج کے موقع پر آنحضور ﷺ کے عروج پر جبرائیل علیہ السلام بھی حیران تھے۔

آنحضور ﷺ کا بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو لشکر کا سردار بنانا جبکہ بوڑھے اور جنگ آزمودہ موجود تھے

اس قصے کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ بزرگی بہ عقل است نہ بسال (بزرگی کا تعلق عمر سے نہیں ہے بلکہ عقلِ حقیقی سے ہے)۔ آنحضور ﷺ نے لشکر کا سردار بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو بنایا۔ فوج کا سردار سَر کی طرح ہوتا ہے۔ بغیر سردار کے فوج ایک بغیر سَر کا دھڑ ہے۔ شیخ بھی سردار ہوتا ہے۔ انسان کے اعمالِ خیر میں پژمردگی اس لئے ہوتی ہے کہ اُس نے کسی شیخ کو اپنا سردار نہیں بنایا ہوتا۔ کس کو شیخ اور پیر بنانے میں انسان کی عمل سے سُستی اور خدمت میں بخل اور خودی مانع رہتی ہے۔ شیخ سے گریز کرنے والے کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بوجھ سے گھبرا کر پہاڑ کی طرف بھاگ پڑے۔ اُس گدھے کو مالک کہہ رہا ہے کہ پہاڑ میں سینکڑوں بھیڑیے ہیں، جو تجھے ہلاک کر دیں گے۔ شیخ بھی بھاگنے والوں کو سمجھاتا ہے کہ بھاگنے میں ہلاکت ہے اور اگر ہلاکت نہ بھی ہو تو نعمتوں سے محرومی ضرور ہے۔ شیخ کی تعلیمات سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ایسا بن جانا چاہیے جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ انسان کا نفس گدھا ہے، جب وہ انسان پر غالب ہو تو چونکہ حکم غالب پر لگتا ہے لہٰذا ایسے انسان کو گدھا کہا جائے گا۔ جن لوگوں پر نفس کا غلبہ ہوتا ہے اُن کو اللہ نے از راہ کرم گدھا نہیں کہا ہے بلکہ گھوڑا قرار دیا ہے۔ جب عرب، گھوڑے کو پکارتے ہیں تو لفظ "تعال" یعنی "آجا" بولتے ہیں اِسی طرح قرآن نے آنحضور ﷺ کو کہا ہے کہ آپ اِن لوگوں کو "تعالَوا" کہو۔ یہ اس لئے کہ چونکہ آپ ﷺ ظالم نفسوں کی اصلاح پر معمور

صُورتِ تن گو برو من کیستم　　نقش کم ناید چو من باقیستم

جسم کو کہہ دو "چلا جا" میں کون ہوں　　جب میں باقی ہوں تو مجھے صُورت کی کیا ضرورت ہے

ہیں کہ ''آؤ'' میں ریاضت کے ذریعے نفسوں کو مُرتاض بناؤں۔ ریاضت کرانے والوں کو دولتیاں بھی کھانی پڑتی ہیں کیونکہ اناڑیوں کو ریاضت کی طرف لانا مصیبت ہوتی ہے۔ نبی چونکہ قوم کی تربیت کرتا ہے لہٰذا اُسے زیادہ مصائب (دولتیاں) برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام) سست رفتار گھوڑوں کو شاہی سواری کے لائق بناتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا ''اے نبی! لوگوں سے کہہ دے کہ آجاؤ''۔ اے مسکینو اور غریبو! میرے پاس آجاؤ۔ پھر فرمایا ''اور جو شخص کفر کرے تو اُس کا کفر کرنا تجھے غمگین نہ کرے'' ہر گھوڑا اپنے اصطبل کی طرف جاتا ہے تو جو اہلِ شقاوت ہیں اُن کا اصطبل وہ نہیں ہے جس کی طرف نبی دعوت دیتا ہے۔ جس طرح انسانوں میں استعداد کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ملائکہ میں بھی ہے اسی لئے انہیں مختلف صفوں میں رکھا گیا ہے۔

ملائکہ اور انسانوں کی صلاحیت کے اختلاف کو اِس مثال سے سمجھو کہ سب بچے ایک ہی مکتب میں پڑھتے ہیں لیکن صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت کا اختلاف حواس میں بھی ہے۔ کان میں سننے کی صلاحیت ہے جو آنکھ میں نہیں ہے۔ آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت ہے جو کان میں نہیں ہے۔ اگر لاکھوں آنکھیں بھی مل جائیں تو کان کے برابر نہیں سُن سکتیں۔ تمام حواس کا یہی حال ہے جو جس چیز کی صلاحیت رکھتا ہے وہ دوسرے میں نہیں ہے۔ حواسِ ظاہری اور حواسِ باطنی سب اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اپنے اپنے کام میں لگے ہیں جیسا کہ ملائکہ کی مختلف صفیں اپنے اپنے کام میں لگی ہیں۔ اگر کسی میں دین کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ بد دینوں کی صف میں شامل ہوگا۔ نبی کا کام دعوت دینا ہے اور منکرین کے رویہ سے تنگ دل ہو کر دعوت دینا نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر کوئی منکر ایک وقت میں انکار کرے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے اعتبار سے آخر میں دعوت کو قبول کرلے۔

قرآن پاک میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راہ کی رہنمائی کر دیتا ہے'' اے شخص! تُو خود اپنی خودی اور سرداری سے باز آجا اور کوئی سردار تلاش کر۔ خود سرداری کا طالب نہ بن۔ نصیحت مان اور کسی کامل کے دامن سے وابستہ ہوجا۔

ایک معترض کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن ہذیلی کو لشکر کا سردار بنانے پر اعتراض

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ہذیلی کو لشکر کا سردار بنایا تو ایک احمق، حسد کی وجہ سے برداشت نہ کرسکا اور ہم نہیں مانتے کا اعلان کردیا۔ اُس کا ایسا اعلان دُنیاداری کے غلبے کی وجہ سے

چُوں نفخت بُودم از لُطفِ خُدا
(میں اللہ کے کرم سے نفخت تھا (پھونک تھا)

نفخ حق باشم زنائے تن جدا
پھر اللہ کی پھونک ہوجاؤں گا، بدن کی بانسری سے الگ

تھا۔ اختلاف کا بڑا سبب عام طور پر تکبر اور غرور ہوتا ہے۔ اس دُنیا سے نجات کی کُنجی خود انسان کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا صرف مجاہدات کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُسے قید خانہ میں پڑا رہنا منظور ہوتا ہے لیکن مجاہدہ کی طرف کم آتا ہے۔ انسان معصیتوں میں آلودہ ہے حالانکہ رُوحانیت کی نہر اُس کے دامن سے ٹکرا رہی ہے جس سے اُس آلودگی کو دُور کیا جا سکتا ہے۔ رُوحانیات کی آرام گاہ اُس کے پہلو میں ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے بیقراری سے پہلو بدل رہا ہے لیکن اُس آرام گاہ میں داخل نہیں ہوتا۔ خدا کا نور مخفی ہے اور عابدوں کی جستجو اُس کے وجود کی گواہ ہے۔ دُنیا سے دل کی وحشت اور عالمِ آخرت کی جستجو راہِ نجات کا پتہ دیتی ہے۔

دِل گواہ است کہ در پردہ دِل آرائے ہست
ہستیٔ قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

''دل اِس بات کا گواہ ہے کہ محبوبِ حقیقی پردے میں چھپا ہوا ہے جیسے پانی کا قطرہ اس بات کی دلیل ہے کہ دریا ضرور کہیں ہے''۔

دُنیا سے وحشت انسان کو راہِ ہدایت کی جستجو کے لئے مجبور کرتی ہے۔ تلاش کرلو یعنی کثرت میں وحدت کا مُشاہدہ کرو۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ ''وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں بھی ہو'' قرآن میں فرمایا گیا ہے ''زمین کی مُردنی کے بعد اُس کی تروتازگی اللہ کے وجود کی دلیل ہے''۔ رہائی کی توقع رہائی کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر رہائی کا وجود ہی نہ ہوتا اور رہائی کی خوشخبری دینے والے کی آمد کی اُمید نہ ہوتی تو رہائی کے لئے دروازے پر نگاہ کیوں لگی رہتی۔ اس لئے ہدایت کی توقع اُس کے وجود کی دلیل ہے۔ لاکھوں گنہگار آبِ رحمت کی جستجو میں ہیں، جو آبِ رحمت کے وجود کی دلیل ہے۔ راحت کی توقع پر بے راحتی میں بے چینی ہوتی ہے۔ اگر توقع نہ ہو تو قرار آ جائے۔ رُوح کی بے چینی آخرت کے آرام کی توقع کی وجہ سے ہے۔ بے قراری جب ہی ہوتی ہے جب کوئی متوقع آرام گاہ ہو۔ خمار جب ہی ہوتا ہے جب کسی خمار شکن چیز کی توقع ہو۔ شراب کا وجود ہی نہ ہو تو اُس کی طلب میں اعضاء شکنی نہیں ہو سکتی۔

حضور ﷺ کے حکم پر اعتراض کرنے والے نے کہا کہ آپ ﷺ نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ ''پیشوا بوڑھا ہونا چاہیے''۔ بوڑھا اپنے اہل میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی اُمت میں'' اُس نے کہا کہ اس لشکر میں بہت سے بوڑھے ہیں، جو اِس نوجوان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ بڑھاپا عقل کی پختگی کی دلیل ہے اور جوانی عقل کی خامی کی۔ نوجوان اگرچہ بدن سے چست ہو گا لیکن عقل کا پختہ نہیں ہے۔ اِسی طرح وہ بے ادب، پیغمبر ﷺ کے سامنے باتیں کرتا رہا۔ وہ نہیں جانتا تھا

نفس و شیطاں بُود ز اوّل واحدے
نفس و شیطان شروع سے ایک ہی تھے

بُود آدم را عدو و حاسدے
آدم کے دُشمن اور حاسد تھے

کہ مشاہدے کے سامنے خبر بے کار ہوتی ہے اور وہ بغیر مشاہدے کے بول رہا تھا۔ انسان خاموشی میں خیالات کو جمع کرتا ہے تب گفتگو شروع کرتا ہے۔ تو خاموشی سمندر ہے جس سے گفتگو کی نہر جاری ہوتی ہے۔ جب سمندر خود انسان کا طالب ہو تو اُس کو نہر کی تلاش نہ کرنی چاہیے۔ جب کسی کو کسی چیز کا مُشاہدہ حاصل ہو تو مشاہدہ کرنے والوں کو اس چیز کی خبر دینا بے کار بات ہے۔ خبروں کا تعلق اُس شخص سے ہے جو اس چیز سے غائب ہو۔ جو شخص مُشاہدہ کر رہا ہو اُس کو خبریں سُنانا لغو کام ہے۔ مقصود حاصل ہو جانے کے بعد وسائل اور ذرائع بیکار ہو جاتے ہیں۔ جب تک سالِک کا طریقت میں بچپن ہے اُس کو ذرائع کی ضرورت ہے۔ جب وہ بلوغ پر پہنچ کر مُشاہدہ کر لیتا ہے تو وسائل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کاملین جو ابتدائی ذرائع اِختیار کرتے ہیں وہ دوسروں کی تعلیم و تفہیم کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو'' اگر صاحبِ مُشاہدہ تم سے اُس چیز کے بارے میں دریافت کرے تو اچھے پیرایہ میں مختصر بات کہہ دو ہاں اگر وہ تفصیل کا مطالبہ کرے تو عُمدہ طریق پر تفصیل کر دو۔

میرا اور ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔ میں اس صاحبِ مُشاہدہ کے سامنے کچھ مختصر کہتا ہوں لیکن اس کی جانب سے تفصیل کا مطالبہ ہوتا ہے اور چونکہ حُسام الدّین کا شوقِ سماع مجھے مثنوی کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اے حُسامُ الدّین! آپ کو جب مُشاہدہ حاصل ہے تو محبوب کی باتیں سُننے کا اس قدر شوق کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ عاشق کے تمام حواس معشوق سے بہرہ ور ہوں۔ آنکھ اگر دیکھتی ہے تو کان باتیں سُننے کا مُشتاق ہوتا ہے۔ مَست چاہتا ہے کہ ساقی شراب سے صرف دہن کی لذّت حاصل نہ کرے بلکہ کان بھی اُس کا نام سُنیں۔ منہ سے اگر جام لگا ہوا ہے تو کان اپنا حصہ مانگتا ہے۔ کان کو جواب ملتا ہے کہ تیرا حصہ وہ حرارتِ عشق ہے جو تجھ میں دیکھنے سے سرائیت کر رہی ہے۔ وہ کہتا ہے نہیں میں اُس سے زیادہ لذّت چاہتا ہوں اور وہ محبوب کا کلام سُننے سے حاصل ہوگی۔

اعتراض کرنے والے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

اُس مُعترض جوان نے ہذیلی نوجوان کو سردار بنائے جانے پر جب بہت زیادہ اِعتراض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا کہ تُو واقف اَسرار کے سامنے کتنا بولے گا۔ مُعترض نے بات اچھے انداز میں کی تھی لیکن اُس کا منشا' حسد اور بدباطنی تھی۔ اے نالائق! تو مینگنی کو سونگھ کر اُس کے خوشبودار ہونے کا تاثر دیتا ہے اور خوشبوؤں کے ماہر کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ بڑوں کی بُردباری اُن کو سادہ ظاہر کرتی ہے لیکن دھوکا دینے والے کو اپنی طرف دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو دھوکا دے رہا ہے۔ بڑے لوگ مجرم سے اپنے آپ کو غافل بنا لیتے ہیں لیکن وہ سب کچھ سمجھتے

آنکہ آدمؑ را بدن دید اُو رمید
جس نے آدمؑ کو صرف بدن سمجھا وہ بدک گیا

وانکہ نُورِ مُوتمن دید اُو خمید
جس نے امانت رکھا ہوا نور دیکھا وہ جھک گیا

ہوتے ہیں کہ اُس کی نیت کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بُردباری کا معمولی حصہ سو پہاڑوں سے زیادہ متحمل ہوتا ہے۔ اُن میں بُردباری ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑا ہوشیار اور بینا دھوکا کھا جاتا ہے۔ اُن کی بُردباری میں شراب کی تاثیر ہوتی ہے جو انسان کو مدہوش کر دیتی ہے۔ جوان آدمی شراب کے نشے سے بوڑھوں کی طرح راستہ میں گر پڑتا ہے۔ جب معمولی شراب کے یہ اثرات ہیں تو عشقِ الٰہی کی شراب کے کیا کچھ اثرات نہ ہونگے۔ اصحابِ کہف عشقِ الٰہی کی شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ نہ اُنہیں کھانا یاد رہا نہ سفر کرنا اور ایک غار میں تین سو نو سال سوتے رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصری عورتیں عشقِ الٰہی میں اُس کی شراب سے ایسی مَست ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جن جادوگروں کو فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لایا تھا وہ اس شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ سُولی پر چڑھنا اُنہیں پیارا لگا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں اسی شراب سے ایسے مَست ہوئے کہ ہاتھوں کے کٹنے کی اُن کو کوئی پروا نہ ہوئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا "سُبحانی ما اعظم شانی" کہنا، مُریدوں کا اعتراض اور اُن کا جواب، زبانی گفتگو سے نہیں بلکہ مشاہدہ کے راستے سے

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصہ سے بھی شراب معرفت کا نشہ اور سُکر کی کیفیت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ مَستی کے عالم میں اُنہوں نے سب لوگوں کے سامنے کہا کہ "میں خدا ہوں"۔ خبردار! صرف میری عبادت کرو۔ جب وہ حالت گزر گئی تو صبح کے وقت لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایسا کہا تھا اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر اب میں یہ کام کروں تو میرے چھریاں گھونپ دینا۔ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے اور میں مجسّم ہوں۔ اگر اب ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دینا۔ مریدوں نے چھریاں تیار کر لیں۔ پھر جب بھاری اِستغراق سے مَست ہو گئے تو وہ وصیت دل سے نکل گئی۔ عشق آیا تو عقل بھاگ گئی۔ عقل بمنزلہ شمع کے ہے اور عشق سورج کی طرح ہے۔ سورج نکلنے سے شمع بے کار ہو گئی۔ عقل کا بقا اللہ کے حجابِ نور کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ نور کا پردہ ہٹ جائے تو مخلوق اور عقل تاب نہیں لا سکتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح سایہ کا وجود سورج کے پردہ پوش ہو جانے کی وجہ سے ہے اگر پردہ ہٹ جائے تو سایہ باقی نہ رہے۔ جب جن کسی پر چڑھ جاتا ہے تو آدمی سے آدمیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے جن کی گفتگو ہوتی ہے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا کہنا دراصل اُن کا کہنا ہی نہ تھا بلکہ وہ خود ذاتِ حق کا کہنا تھا جو اپنی جگہ بالکل صحیح تھا۔ جب انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو اُس وقت کے لئے اُس میں سے انسانیت کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ نہیں بولتا بلکہ جن بولتا ہے۔ جب جن کو یہ طاقت حاصل ہے تو خود اُس جن کے خدا کی طاقت کیسی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے

پس بصورت عالَم صُغریٰ توئی
صُورت کے لحاظ سے تُو چھوٹا جہان ہے

پس بمعنیٰ عالَم کُبریٰ توئی
لیکن باطن کے لحاظ سے تُو بڑا جہان ہے

سامنے ایک عاجز انسان اپنی حالت پر کب رہ سکتا ہے کیونکہ۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے ہوں''۔

جب جن چڑھ جانے کے بعد اُس کی ماہیت بدل گئی تو جاہل تُرک عربی بولنے لگتا ہے حالانکہ اُس تُرک نے کبھی عربی نہیں سیکھی۔ جب تُرک پر سے جن اتر جاتا ہے تو وہ عربی کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ شراب سے مست انسان شر سے نہیں ڈرتا تو یہ اُس کی فطرت نہیں ہے بلکہ شراب کا اثر ہے۔ اندھے سے کوئی راستہ دریافت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ احکام کا تعلق ذات سے نہیں صفات سے ہے۔ تو جب صفتِ انسانیت کسی وجہ سے ختم ہو جائے تو کام اور بات محض ذات کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی شراب کا مست مستی کے عالم میں اپنے پُرانے راز کھولنے لگتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ نہیں بول رہا شراب بول رہی ہے۔ جب شراب کے یہ کرشمے ہیں تو نورِ حق اور تجلیءِ ربّ جب انسان پر نازل ہو تو پھر اُس کی بات اُس تجلی کی طرف کیوں نہ منسوب کی جائے گی۔ قرآن کے الفاظ اگرچہ آنحضور ﷺ کے دہنِ مبارک سے ادا ہوتے تھے لیکن اُن کو آنحضور ﷺ کا کلام کہنے والا کافر ہے اور اُس کو خدا کا کلام قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ وہ الفاظ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے ادا ہوئے لیکن وہ خدا کا کلام تھا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر اُس کے بعد وہی مستی طاری ہوئی تو اِس بار اُنہوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جملہ کہا اور کہنے لگے کہ ''میرے جبہ میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اُس کو اِس جبہ میں تلاش کر لو۔ زمین و آسمان میں کیوں تلاش کرتے پھرتے ہو''۔ اِس جملے پر تمام مرید دیوانہ وار چھریاں لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کے جسم پر چھریاں چلا دیں لیکن جو شخص شیخ کے اندر تلوار گھساتا اُس کا زخم اُس کے اپنے جسم پر پڑتا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے جسم پر کسی کی چھری کا زخم نہ لگا۔ جس مرید نے اُن کا گلا کاٹنے کے لئے حملہ کیا اُس کا خود گلا کٹ گیا۔ جس نے حضرت کی شخصیت کو سمجھا اور تھوڑی عقل سے کام لیا تو معمولی زخم لگایا، پھر بھی وہ زخم خود اُسی کے لگا۔ یہ سب کچھ رات میں ہوا۔ صبح کو جب نیم مردہ مریدوں پر یہ حقیقت کھلی تو سینکڑوں لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کے لباس میں کسی ایک شخص کا جسم نہیں ہے بلکہ دونوں جہان ہیں۔ اگر اس میں انسانی جسم ہوتا تو خنجروں سے زخمی ہو جاتا۔

ظاہراً آں شاخ اصل میوہ است
ظاہر میں ٹہنی پھل کی اصل ہے کیونکہ پھل اُس کے ساتھ لگا ہے

باطناً بہرِ ثمر شد شاخ ہست
باطن میں صرف پھل اُگانے کے لیے بنی ہے

جب کوئی دُنیادار کسی بزرگ سے بھڑتا ہے تو وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ مقامِ فنا پر پہنچنے کے بعد اُس کا اپنا کچھ نہیں رہتا لہٰذا اُس کے اپنے نقصان کا کوئی امکان نہیں ہے۔ فانی کی خود اپنی صورت فنا ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں کی صورتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اب اُس میں اُس کی اپنی صورت نظر نہیں آتی، جو غیر بالمقابل ہوتا ہے اُس کی صورت نظر آتی ہے۔ آئینہ پر تھوکنا اپنے منہ پر تھوکنا ہوتا ہے۔ اُس میں جو کچھ اچھائی یا بُرائی تجھے دکھائی دیتی ہے وہ خود تیری اچھائی یا بُرائی ہے۔ جب بُرائیاں اِس مقام تک پہنچیں تو ہونٹوں نے بولنے کا راستہ بند کر دیا اور لکھنے سے قلم عاجز آ گیا۔ اے رومی! خواہ کتنی ہی فصاحت حاصل ہو جائے اِن رازوں کو سربستہ رکھنا چاہیے۔ بس اِس قدر اور بتائے دیتا ہوں کہ عشقِ الٰہی کا مست بالاخانے کی منڈیر پر بیٹھا ہوا ہے جہاں سے ہر وقت گرنے کا خطرہ ہے۔ یا تو وہ منڈیر سے نیچے اُتر کر بیٹھے یا بالاخانے سے ہی اُتر آئے ورنہ ہر وقت خطرہ میں ہے۔ قربِ الٰہی سے جو خوش وقتی حاصل ہو اُس کے بارے میں ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور اُس خزانہ غیب کے راز کو لوگوں سے مخفی رکھنا ضروری ہے۔ مقامِ قرب حاصل ہونے پر جو خوشی ہے اُس کے بارے میں خوف یہ ہے کہ یہ مقام کہیں زائل نہ ہو جائے۔ بسا اوقات سالک کو اِس مقام کا احساس نہیں ہوتا لیکن اُس کی رُوح اُسے محسوس کرتی ہے۔

اقوامِ سابقہ قومِ نوح اور قومِ لوط پر جو عذاب آیا وہ اُن کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد آیا۔ نزول و سقوط عروج کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلو گے تو اُن کی طرح آئینہ بن جاؤ گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قربِ الٰہی کا نشاط اور مستی حاصل تھی اُس معترض پر اُس کا پرتو پڑا جس کی وجہ سے وہ خوشی میں پاگل ہو گیا اور غلط اعتراضات شروع کر دیئے۔ اُس شخص پر مستی نے جو بُرا اثر کیا، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مستی ہر جگہ بُرا اثر دکھاتی ہے، ہاں اگر کوئی بے ادب ہو تو اُسے زیادہ بے ادب بنا دیتی ہے۔ جس طرح کے جذبات انسان کے دل میں ہوتے ہیں مستی اُن کو اُبھار دیتی ہے۔ شراب کے اثر سے ذہین کی ذہانت بڑھ جاتی ہے اور بے عقل زیادہ بے عقلی کرنے لگ جاتا ہے۔ اگر انسان خود غرض نہیں ہے اور اُس میں عالی جذبات ہیں تو وہ جذبات اور اُبھر آتے ہیں۔ چونکہ حکم اکثریت پر ہوتا ہے اور اکثر لوگ اچھے جذبات کے حامل نہیں ہوتے۔ شراب سب کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ عوام کے لئے شراب کی اجازت ایسے ہی ہوگی جیسے ڈاکوؤں کے ہاتھ میں تلوار۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہذیلی کو اُس کے اعتراض کا جواب دینا

ہذیلی کو سردار بنائے جانے پر اعتراض تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ

کہ زِ دِل تا دِل یقیں روزن بُود
کیونکہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے

نے جُدا و دُور چوں دو تن بُود
دو دل دو جسموں کی طرح الگ الگ نہیں ہوتے

''بزرگی بہ عقل است نہ بسال'' (بزرگی کا تعلق عمر سے نہیں ہے بلکہ عقلِ حقیقی سے ہے) محض عُمر کے لحاظ سے اگر عقل مندی کا حکم لگتا تو شیطان سے زیادہ عُمر والا کون تھا' وہ عقل مند کہلاتا۔ بچّہ اگر صاحبِ کمال ہے تو وہ عقل مند ہے۔ بالوں کی سفیدی بھی عقل کی پختگی کی دلیل ہے لیکن یہ ظاہر بین لوگوں کے لئے ہے۔ جس کو نورِ بصیرت حاصل نہیں وہ ہمیشہ دلیل کا طالب ہوتا ہے اور علامتوں کا راستہ تلاش کرتا ہے۔ مقلّد کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کسی بوڑھے سے مشورہ کرے لیکن اِس بوڑھے سے عُمر کا بوڑھا مراد نہیں ہے بلکہ صاحبِ بصیرت مراد ہے۔ وہ شخص مراد ہے جو تقلید سے نجات پا گیا ہو اور اللہ کے نور سے چیزوں کو دیکھتا ہو۔ اُس کی نگاہ کھال اور گوشت سے گزر کر باطن کو دیکھ لیتی ہو۔ ظاہر بیں انسان کھوٹے اور کھرے میں پہچان نہیں کرسکتا۔ بہت سے سکّے جو صحیح ہوں کالے کر دیئے جاتے ہیں کہ چور دست درازی نہ کرسکے اور بہت سے سکّے تانبے کے ہوتے ہیں جن پر سونے کی مُلمّع کاری ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ہم دل کو دیکھتے ہیں' ظاہر پر نظر نہیں رکھتے۔ قاضی ظاہر پر حکم لگاتا ہے۔ جب کوئی شخص اُس کے سامنے کلمہ شہادت پڑھے خواہ اُس کے دل میں تصدیق نہ ہو تو وہ اُس کو مومن قرار دے گا۔ بہت سے مُنافقوں نے اِسی طرح اپنا ایمان ظاہر کر کے سازشیں کی ہیں اور مسلمانوں کی خونریزی کی ہے۔ جب عقل پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بہت عزت افزائی فرمائی۔ اُس کو ایک یہ خوبی عطا فرمائی کہ وہ کسی کی محتاج نہیں ہے۔ اگر عقل مجسّم ہو کر دُنیا میں رونما ہو تو سورج کی روشنی اُس کے سامنے ماند پڑ جائے۔ اگر حماقت مجسّم ہو کر رونما ہو تو رات کی تاریکی اُس سے شرما جائے۔ انسان کو نورِ ہدایت سے تعلق پیدا کرنا چاہیے ورنہ بُری حالت میں موت آ جائے گی۔ کور باطن' تاریکی کو پسند کرتا ہے اور ہدایت سے بھاگتا ہے اور ہر وقت اِس چیز کا طالِب ہے کہ دُنیا کی دولتیں کمائے۔ ایسے دولتمند انسانوں کو دیکھ کر دوسرے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

مُکمّل عاقل اور آدھے عقلمند اور مُکمّل اِنسان اور آدھے انسان کی علامت اور بے وجُود مغرُور بدبخت کی علامت

کامل عقلمند وہ ہوتا ہے جو نورِ باطن حاصل کر لے' وہ دوسروں کا پیشوا بنے اور اپنے نور کا تابع اور پیرو ہو۔ یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے اُوپر ایمان لائیں اور اپنی نبوت کی تصدیق کریں۔ نیم عاقل وہ ہے جو کسی صاحبِ نور کو اپنی آنکھ بنا لے اور ہر چیز کو اُس کی آنکھ سے دیکھے۔ ہر معاملے میں اُس پر ایسا اعتماد کرے جس طرح ایک اندھا اپنے رہنما پر کرتا ہے۔ تیسرا وہ ہے جو نرا گدھا ہے' جس کو نہ خود نور حاصل ہے اور نہ کسی کو رہنما بنائے۔ خود

غفلت میں غرق ہے اور دوسرے کو رہنما بناتے وقت ذلت محسوس کرتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اوہام اور خیالات کی وادیوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ اُس کو خود تو نورِ باطن حاصل نہیں ہے اور اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ کسی دوسرے سے نور حاصل کر لے۔ اگر کوئی مردہ بن کر اپنے آپ کو کسی عقلمند کے سُپرد کر دے تو بھی بامِ عروج پر پہنچ جائے گا۔ احمق انسان نہ خود زندہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اُس کے دَم میں اثر ہو اور نہ مردہ ہے کہ کسی عیسیٰ علیہ السلام نفس کے دَم سے زندہ ہو جائے۔ کچا انگور نہ کھانے کے قابل ہے اور نہ اُس سے شراب بن سکتی ہے۔ احمق انسان اوہام میں پھنسا رہتا ہے، عاقبت کی فکر نہیں کرتا، پھر ایسے وقت فکر کرتا ہے جب کوئی فائدہ مُرتب نہیں ہوتا ہے۔ بے وقت ندامت مُفید نہیں ہوتی۔

تالاب شکاریوں اور تین مچھلیوں کا قصّہ

ایک تالاب میں تین موٹی نادر مچھلیاں رہتی تھیں۔ اُن مچھلیوں میں سے جو عقلمند تھی اُس نے شکاریوں کے ارادہ کو بھانپ کر سفر کر جانے کا ارادہ کر لیا اور وہاں سے چل دی کہ پیدائش اور قیام کی محبت کہیں مجھے میرے ارادے میں سُست نہ کر دے اور میں پکڑی جاؤں۔ دوسری دونوں مچھلیاں اُس کے ساتھ نہ گئیں اور پکڑی گئیں۔ اپنے مستقبل کے بارے میں کسی اہل سے مشورہ کر لے۔ اس وطن (دنیا) کی محبت کے دھوکے سے نکل جا۔ اگر تُو وطن چاہتا ہے تو اس حدیث کو سمجھ لے۔

حدیث "وطن کی محبت ایمان ہے" اور ایک شخص کا ناک میں پانی دینے کے وقت کی دُعا کو بے موقع پڑھنا، ایک دوست کا سُننا اور صبر نہ کر سکنا اور بتانا

اس حدیث میں وطن سے مراد آخرت ہے دُنیا کا وطن مراد نہیں۔ دُنیا کا وطن سمجھ کر دھوکا نہ کھانا۔ ہر دُعا کا ایک محل ہے اُس کو غلط مقام پر استعمال نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح حُبّ وطن کو غلط مقام پر استعمال نہ کرنا چاہیے۔ بزرگانِ دین وضو میں ہر عضو کو دھوتے وقت ایک خاص دُعا پڑھتے تھے۔ جب ناک میں پانی ڈالتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں "اے خدا! مجھے جنت کی خوشبو سنگھا دے"۔ پھول کی خوشبو چمن کے لئے رہنما ہے، اسی طرح جنت کی خوشبو جنت کی رہنما ہے۔ پاخانے سے نکلتے وقت کی دُعا ہے کہ "اے اللہ! نجاستِ ظاہر کا ازالہ تو مجھ سے ممکن تھا وہ میں نے کر لیا لیکن باطنی نجاست تُو خود ہی پاک کر سکتا ہے"۔ یہ اللہ کی قدرت ہی کر سکتی ہے کہ وہ رُوح کو پاک کر دے۔ انسان کا مقدور یہی ہے کہ وہ نجاستِ ظاہری سے پاکی حاصل کر لے۔ نجاستِ ظاہری کی حد سے آگے کی پاکی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک آدمی نے استنجے

منتہای اختیار آنست خود — کاختیارش گردد اینجا مفتقد
بندے کا اعلیٰ اختیار تو یہی ہے — کہ وہ ہماری مرضی میں خود کو گم کر دے

کے وقت وہ دُعا پڑھی جو ناک میں پانی دینے کے وقت کی ہے۔ جس طرح یہ بے محل دُعا ہے اسی طرح یہ بھی بے محل بات ہے کہ انسان احمقوں کے سامنے تواضع برتے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے اکڑے۔ یاد رکھو! انسان کی اُلٹی چالیں اُس کی رفعت اور بلندی کے لئے مانع ہیں۔ پھول کی خوشبو دماغ کے لئے ہے اور پاخانہ کے سوراخ سے جنت کی خوشبو محسوس نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح وطن کی محبت دُرست ہے لیکن پہلے وطن کو پہچان۔

عقلمند مچھلی کا دانائی سے دُوسروں سے مشورے کے بغیر روانہ ہوجانا

مچھلی نے سوچا کہ اس راستے کے محرم نایاب ہیں اس لئے خاموشی سے رات کو نکل جانا چاہیے۔ سالک کو بھی یہی سوچنا چاہیے اور راہِ سلوک کی مشکلات کو خود ہی برداشت کرنا چاہیے۔ یہ محدود دُنیا چھوڑ کر لامحدود عقبیٰ اختیار کرنی چاہیے۔ وہ تیزی سے بھاگ‌ٔ راستے کی تکالیف برداشت کیں اور اپنے آپ کو دریائے ناپیدا کنار میں لے جا ڈالا۔ شکاری پیچھے ہو اور پھر غفلت کی نیند سونا بڑی غلطی ہے۔ شکاری جب جال لے کر آئے تو نیم عاقل مچھلی کو فکر ہوئی' اُس نے سوچا افسوس میں نے وقت ضائع کیا اور عقلمند مچھلی کے پیچھے نہ چلی گئی۔ اب بھی مجھے چل دینا چاہیے۔ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آسکتا تاکہ اپنی غلطی کی تلافی ہوسکے۔

ایک پھنسے ہُوئے پرندے کی وصیت کہ گزشتہ پر پشیمان نہ ہو، ناممکن بات کا یقین نہ کر، موجُودہ وقت کی اِصلاح کر اور پشیمانی میں وقت ضائع نہ کر

گزشتہ بات پر افسوس کرنا وقت کو ضائع کرنا اور لغو بات ہے۔ ایک شکاری نے ایک پرند پھانس لیا۔ پرندے نے کہا کہ اگر تُو مجھے ذبح کر کے کھا بھی جائے گا تو کیا فائدہ ہوگا۔ تُو بہت بڑے بڑے جانور کھا چکا ہے اور اُن سے تیرا پیٹ نہیں بھرا تو مجھے کھا کر تیرا کیا فائدہ ہوگا۔ تُو مجھے آزاد کردے تو میں تجھے تین نصیحتیں کروں گا۔ میں پہلی نصیحت اُس وقت کروں گا جب تُو مجھے ہاتھ میں پکڑے گا۔ دوسری اس وقت کروں گا جب تُو مجھے چھوڑ دے گا اور تیسری اُس وقت کروں گا جب میں درخت پر جا بیٹھوں گا۔

تیرے ہاتھ میں جو نصیحت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی تجھے ناممکن اور محال بات کہے تو اُس پر یقین نہ کرنا۔ اُس کے بعد پرندے نے کہا کہ میرے پوٹے میں ایک نادر موتی ہے جو تین تولے کا ہے۔ اگر تُو مجھے ذبح کرتا تو یہ موتی تیری دولت ہوتا چونکہ تیرا مقدر نہیں ہے اس لئے وہ موتی تیرے ہاتھ نہ آیا۔ پرندے کی اس بات کو سُن کر شکاری اس طرح آہ

اختیارش گر نبودے چاشنی	کے بگشتے آخر او محو از منی
اگر اسے اپنی فنائیت میں مزا نہ آتا	تو وہ اپنے اختیار کو ہم میں کیوں فنا کرتا؟

وفریاد کرتا تھا جس طرح حاملہ عورت بچہ جنتے وقت کرتی ہے۔ وہ پرندے کی اس گفتگو پر غمگین ہو کر آہ وزاری کرتا تھا۔ وہ بولا: اے پرندے! تُو نے حیلہ بازی کر کے مجھے تباہ کر دیا ورنہ میں موتی سے دولت مند ہو جاتا۔ پرندے نے جواب دیا: میں نے تجھے نصیحت کی تھی کہ گزری ہوئی بات پر افسوس نہ کرنا تو اب افسوس کیوں کرتا ہے؟ میں نے دوسری نصیحت یہ کی تھی کہ کسی ناممکن بات پر یقین نہ کرنا تُو نے میری ناممکن بات پر یقین کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ چھوٹے پرندے کے پوٹے میں تین تولے کا موتی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب شکاری کو کچھ سکون ہوا تو اُس نے پوچھا کہ تیسری نصیحت بھی سُنا دے۔ پرندہ بولا: تُو نے دو نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے جو تجھے تیسری نصیحت بھی سُنا کر ضائع کر دوں۔ اُس کے اس جواب میں تیسری نصیحت بھی مُضمر ہے کہ جو نصیحت قبول نہ کرے اُس کو نصیحت نہ کرو۔ پرندے نے طنزاً تیسری نصیحت بھی کہہ دی اور اُڑ کر جنگل میں چلا گیا۔

جاہل کو نصیحت کرنا ایسا ہی ہے جیسے شور زمین میں بیج بونا۔ مکمل عقلمندی تو یہی ہے کہ قبل از مصیبت دفیعہ کی تدبیر کر لے۔ نیم عقل مندی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ہی نجات کی صحیح تدبیر کرے۔ عقل مند مچھلی کے چلے جانے کے بعد نیم عاقل نے سوچا کہ وہ کیوں اچھے ساتھی سے چھوٹ گئی۔ اب افسوس کرنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں یہ تدبیر کرتی ہوں کہ اپنے آپ کو مردہ بنا لوں گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی ''نجات اس میں ہے کہ مرنے سے پہلے ہی فنا کا درجہ اختیار کر لو'' مقامِ فنا اختیار نہ کرو گے تو فتنوں میں مبتلا ہو کر مرو گے۔ وہ مردہ بن گئی تو شکاری نے اُس کو الگ زمین پر پھینک دیا تو وہ لوٹتی پوٹتی پھر دریا میں گھُس گئی۔ تیسری بے عقل مچھلی نے اُچھل کود شروع کر دی۔ اُس کی یہ کوشش بے وقت تھی۔ شکاری نے اُس کو جال سے پکڑ لیا تا کہ اُس کے کباب بنائے۔ عقل اُس پر طنز کر رہی تھی کہ کیا تیرے پاس تجھے عذاب سے ڈرانے والے نہ آئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ بے شک ڈرانے والے آئے تھے لیکن میں نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اب اگر زندگی حاصل ہو جائے تو کسی عقل مند کا دامن ضرور پکڑوں گی۔ یہ حال اُن لوگوں کا ہے جو دُنیا میں بے عقلی کریں گے اور نصیحت نہ سُنیں گے۔

احمق کا گرفتاری کے وقت عہد کرنا اور نادم ہونا ہرگز مفید نہیں کیونکہ کوئی جھوٹا وفا نہیں کرتا

احمقوں کے وعدوں اور دعووں کا اعتبار نہیں ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر اُن کو دوبارہ زندگی بھی دے دی جائے تو یہ بد عہدی کریں گے۔ عہدوں کی وفا کرنا تو عقل والوں کا کام ہوتا ہے۔ پروانے میں عقل کی کمی ہے جس کی وجہ سے شمع کی آگ کی سوزش اُس کو یاد نہیں آتی۔ اُس کی

حرص اور بھول اُسے جلادیتی ہے۔ ضبط کا مادہ، سمجھ، نگہ داشت اور یادداشت، عقل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ انسان کی عقل اُس کو اُس کا عہد یاد دلاتی ہے۔ اُس کی بے عقلی یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت کے آثار کو نہیں سمجھتا۔ انسان کی ندامت تکلیف کی وجہ سے تھی۔ تکلیف ختم ہوئی تو ندامت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے اُس کی توبہ اور ندامت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

وہم عقل کا کھوٹا سکہ

شہوتِ نفسانی عقل کی ضد ہے۔ عقل اُس کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ جو نفسانی خواہش کی طرف مائل ہو وہ عقل نہیں وہم ہے۔ وہم بھی سکہ ہے لیکن کھوٹا۔ عقل کھرا سکہ ہے۔ قرآن اور حضور ﷺ کی سیرتِ پاک کی کسوٹی پر پرکھنے سے دونوں میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام (جو عقلمند تھے) کے فرعون (جو وہمی تھا) کیساتھ سوال و جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے پاس پہنچے اور اُس وقت وہ مقامِ فنا میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں عقلِ مجسّم ہوں۔ اللہ کی دلیل اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے والا ہوں۔ فرعون نے کہا کہ میں یہ باتیں سُننا نہیں چاہتا، تُو اپنا قدیم نام اور نسب بتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرا نسب تو یہ ہے کہ میں خاکزادہ ہوں۔ میرا نام اللہ کا کمترین غلام ہے اور میں اللہ کے غلاموں اور لونڈیوں کی پشت وبطن سے پیدا ہوا ہوں۔ میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے آب و گِل سے پیدا فرمایا تھا اور پھر اُسے جان و دل عطا کئے تھے۔ میرا خاکی جسم پھر خاک ہو جائے گا اور تجھ ظالم کے جسم کو بھی خاک میں ملنا ہوگا۔ تمام انسانوں کی اصل آب و گِل ہے اور اُس کی سو علامتیں ہیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ انسان زمین کی پیداوار سے خوراک حاصل کرتا ہے اور اِسی سے پرورش پاتا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ سب کو مر کر خاک میں مل جانا ہے اور تُجھے بھی خاک میں جانا ہے اور تیرا یہ اقبال فانی ہے۔

فرعون نے غصّے سے کہا کہ تیرا ایک اور نام ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے "فرعون کا غلام" "فرعون کے غلاموں کا غلام"، یعنی اُس غلام کی جان اور جسم کو فرعون ہی نے پرورش کیا۔ تُو غلام تو ہے مگر باغی اور سرکش، اور تُو وہی غلام ہے کہ ایک جرم کر کے مصر سے بھاگا تھا، یعنی ایک قبطی کو قتل کیا ہے۔ چونکہ تُو نے میرے حقوق ادا نہیں کئے اس لئے پردیس میں مارا مارا پھرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ واحد ہے اور اُسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہے اور اپنے بندوں کا تنہا خدا ہے۔ جو اُس کی شرکت کا دعویٰ کرے گا تباہ ہو جائے گا۔ اُسی نے میری صورت کو بنایا ہے اگر کوئی دوسرا دعویٰ کرے تو وہ ظالم ہے۔ تُو میرا خدا کیسے ہو سکتا ہے تُو میری ایک ابرو بھی نہیں بنا سکتا۔

نورِ حسّ و جانِ ناپایانِ ما　　نیست کُلّی فانی ولا چوں گیا
ہماری رُوحِ انسانی کی فنا　　گھاس پھونس کی کُلی فنا کی طرح نہیں ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: غدار میں نہیں ہوں بلکہ تُو اللہ کا غدار ہے۔ مجھ سے قبطی کا قتل بلا ارادہ ہوا تھا۔ وہ کافر تھا' اُس کی جان تو جان ہی نہ تھی۔ تُو نے ہزاروں بے قصور اولادِ یعقوب علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ اس کی سزا میں تُو طرح طرح کے عذاب بھگتے گا۔ اللہ نے تیری مرضی کے خلاف مجھے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا۔ فرعون کہنے لگا کہ ان باتوں کو چھوڑ' کیا میرے حقوق کا یہی تقاضا ہے کہ تُو مجھے بر سرِ مجمع ذلیل کرتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تُو خیر و شر میں میری اِتباع نہ کرے گا تو قیامت میں ذلیل ہوگا اور وہ ذلّت اس دُنیا کی ذلّت سے بہت سخت ہے۔ یہاں تُو ایک مچھر کے کاٹنے کو برداشت نہیں کرتا تو قیامت میں سانپوں کا زہر کیسے پیئے گا۔ ظاہراً جس کو تُو بربادی سمجھتا ہے اُس میں ہی تیری آبادی ہے۔

تعمیر تخریب میں، دلجمعی پریشانی میں، دُرستگی شکستگی میں مُراد بے مُرادی میں اور وجود عدم میں ہے کا بیان، اِسی طرح ضدوں اور جوڑوں کا قیاس کر لو

ایک شخص نے زمین کو کھودنا شروع کیا۔ ایک بے وقوف بولا: تُو ہل چلا کر زمین کیوں خراب کر رہا ہے؟ اُس نے کہا: اے احمق! جا پہلے تعمیر اور تخریب میں فرق سمجھ۔ چمن اور کھیت تب ہی تیار ہوتا ہے جب پہلے زمین کو خوب ویران کیا جائے۔ زخم کو نشتر سے نہ چھیڑیں تو زخم کیسے اچھا ہوگا۔ درزی کپڑے کو کاٹ کر ٹکڑے نہ کرے تو لباس کیسے تیار ہو۔ نئی تعمیر کرنی ہو تو پرانی بنیادوں کو اُکھاڑنا ہی پڑتا ہے۔ سب کاریگروں کا یہی عمل ہے۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کا فرعون کو جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرے حقوق کا یہی تقاضا ہے کہ میں تُجھے ہلاکت سے نجات دلا دوں۔ اگر تُو میری نصیحت کو قبول کرے گا تو ابدی ہلاکت سے نجات پا جائے گا۔ تُو نے اپنے نَفس کو جو کہ ایک معمولی کیڑا تھا' اُسے اژدھا بنا کر اپنے اُوپر مُسلّط کر لیا ہے۔ اُس کے مقابلے کے لئے میں اپنے عصا کا اژدھا لایا ہوں۔ میرا سانپ تیرے اژدھا کو برباد کر دے گا۔ اگر تُو راضی ہوگیا تو دونوں سانپوں سے بچ جائے گا ورنہ تیری ہلاکت ہے۔ فرعون نے کہا کہ تُو مکمل جادوگر ہے۔ تُو نے اپنے مکر اور جادو سے میری قوم میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ جادوگر اپنے عمل میں اللہ کے نام کا سہارا نہیں لیتا۔ وہ جادو میں شیطان کا نام استعمال کرتا ہے۔ آسمانی کتابوں میں میرا

جُملہ محو اندازِ شُعاعِ آفتاب	لیک مانندِ ستارہ و ماہتاب
جیسے سُورج کی روشنی میں ان کی حالت ہوتی ہے	رُوحِ انسانی کی مثال ستاروں اور چاند کی طرح ہے

ذکر کیا گیا ہے' مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جادوگر کو وحی سے کیا واسطہ۔ تُو خود جیسا ہے مجھے بھی ویسا ہی سمجھ رہا ہے۔

انسان جیسا خود ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ انسان ہمیشہ اپنی حالت پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے۔ جس کا اپنا سر چکرا رہا ہو وہ گھر کو گھومتا ہوا سمجھتا ہے۔ کشتی میں بیٹھا ہوا انسان سمجھتا ہے کہ ساحل پیچھے کو چل رہا ہے۔ اگر انسان تنگ دل ہوتا ہے تو دُنیا کو تنگ سمجھتا ہے۔ اگر خوش ہوتا ہے تو اُسے تمام دُنیا پُر مسرت معلوم ہوتی ہے۔ اسلام کے مرکز میں بھی مُنافق کو کفر و نفاق ہی نظر آئے گا۔ انسان جس چیز کی جستجو کرتا ہے وہی اُس کو نظر آتی ہے۔ جو شخص باطنی بصیرت سے خالی اور ظاہر بیں ہے اُس کو تمام عالم میں صرف ظاہر نظر آئے گا۔ بیل اگر بغداد میں بھی پہنچے گا تو وہاں بھی اُس کو خربوزے کے چھلکوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے گا۔ اَسبابِ ظاہری کا پابند انسان صرف اپنی طبیعت پر اعتماد کرتا ہے۔ اَسباب و علل سے گزر کر جب انسان اُس مقام تک پہنچتا ہے جہاں مُسبّبُ الاسباب کی قدرت کا عمل جاری ہے تو اُس کو ایک وسیع میدان ملتا ہے۔ اُس مقام پر پہنچ کر تجدد امثال کے طریقہ پر اُس کو نئے عالم نظر آتے ہیں۔ انسان کی غفلت ہے کہ وہ اَسباب کی طرف نظر رکھتا ہے اور سبب پیدا کرنے والے سے غافل ہے۔

حواس کے مُدرِکات الگ الگ ہوتے ہیں

انسان کے ہر حس کے مُدرکات جُداگانہ ہیں۔ ایک حس دوسری حس کے مدرکات سے بے خبر ہے۔

انسان اپنی عینک سے بزرگوں کو دیکھتا ہے اور اُس کی عینک خود پردہ اور حجاب ہے۔ صوفیا کی طرح حواس کو مُشاہدہ کے ذریعے پاک و صاف کرنا چاہیے۔ جب تیرے حواس پاک ہو جائیں گے تو بزرگوں کی حقیقت کو سمجھ لے گا۔ دیکھنا آنکھ کا کام ہے' کان کا نہیں۔ کان سننے کا ماہر ہے۔ ناک محبوب کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تمہاری حس ٹیڑھی ہے تو وہ صحیح کام نہیں کرے گی۔ بھینگے کی آنکھ ایک چیز کو دو کر کے دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: چونکہ تُو مُجسّم مکر و فریب ہے اس لئے تُو مجھ میں اور اپنے آپ میں فرق نہیں کر سکتا۔ تُو بھینگا ہے' مجھے اپنی آنکھ سے نہ دیکھ۔ مجھے میری آنکھ سے دیکھ پھر تُجھے عالمِ غیب کا مُشاہدہ ہوگا۔ میرے عشق میں تُجھے خدا کا عشق نظر آئے گا۔ جب تُو جسم کی مادیت سے پاک ہو جائے گا تو تُجھے معلوم ہو جائے گا کہ کان اور ناک بھی آنکھ کا کام کرتے ہیں۔ جب بچّہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُس کے دوسرے حواس آنکھ کا کام کرتے ہیں۔ محض آنکھ کی چربی کو دیکھنے کی علت نہ سمجھنا چاہیے۔ خواب میں انسان دیکھتا ہے اور اُس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ پری اور جن دیکھتے ہیں مگر اُن کی آنکھوں میں یہ چربی نہیں ہے۔ آنکھ کی روشنی اور چربی میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ خدا نے اُس میں یہ طاقت رکھی ہے کہ تو اُس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ کسی اور چیز

لیک مانند ستارہ و ماہتاب
رُوحِ انسانی کی مثال ستاروں اور چاند کی طرح ہے

جُملہ محو اند از شُعاعِ آفتاب
جیسے سُورج کی روشنی میں ان کی حالت ہوتی ہے

میں دیکھنے کی طاقت رکھ دے۔ انسان خاکی اور جن ناری ہے لیکن اب اُن میں اور اُس کی اصل میں کوئی نسبت نہیں ہے۔

قومِ عاد پر جو ہوا مسلط ہوئی تھی وہ دیکھ دیکھ کر دشمنوں کو ہلاک کر رہی تھی۔ نمرود کی آگ کو بصارت حاصل تھی اسی لئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلا رہی تھی۔ دریائے نیل کو بھی بصارت حاصل تھی۔ اِس لئے اُس نے قبطیوں کو ڈبویا اور اسرائیلیوں کو نہ ڈبویا۔ پہاڑ میں بصارت تھی تب ہی تو وہ پتھر حضرت داؤد علیہ السلام کو پہچان گئے تھے اور اُن سے خواہش کی تھی کہ طالوت کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں ساتھ لے لو۔ زمین کو بصارت حاصل تھی اِسی لئے اُس نے قارون کو نگل لیا۔ اُستونِ حنانہ حضور ﷺ کے فراق میں رویا۔ اس کی وجہ اُس کی بینائی ہی تھی۔ سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ میں بیان ہے ''قیامت میں زمین سب راز ظاہر کر دے گی''۔

اے فرعون! تجھ جیسے ظالم حاکم کے مقابلے کے لئے خدا کا مجھے بھیجنا اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے علم میں یہ بات ہے کہ تیرے مرض کا علاج میں ہی ہوں۔ تُو نے کئی بار خواب میں دیکھ لیا ہے کہ خدا نے تیرے مقابلے کے لئے مجھے منتخب کر لیا ہے۔ وہ خواب تیرے حال کے مطابق تھے اور تجھے یہ بتانے کے لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ناقابلِ علاج مرض کا علاج بھی فرما دیتا ہے لیکن تُو اُن خوابوں کی غلط تاویلیں کر کے اندھا اور بہرا بنا رہا اور کہنے لگا کہ غفلت کی نیند میں ایسے خواب آیا کرتے ہیں۔ اطباء اور نجومی اُن خوابوں کا صحیح مطلب سمجھ رہے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ تو اُن کی بات نہیں مانے گا۔ اُن پر عتاب نازل کرے گا اس لئے وہ کہہ دیتے تھے کہ ہضم کی خرابی ان خوابوں کا سبب ہے۔ بادشاہوں کو اخلاقِ الٰہی اختیار کرنے چاہیں۔ خدا کا خُلق یہ ہے کہ اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ شیطان کا غصّہ اُس کی شفقت پر غالب ہے۔ بادشاہ میں بے موقع حلم بھی نہ ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اُس کی بیوی اور مُتعلقین بگڑ جائیں۔ تُو ایسا ظالم بادشاہ ہے کہ بے قصور لوگوں کا خون کرتا ہے۔ اب اللہ نے میری لاٹھی کے ذریعے تیرے سینگ کو توڑا ہے۔

دُنیا والوں کا غارتگری کے لیے اُس جہان والوں کی سرحد تک حملہ کرنا جو کہ غیب کی سرحد ہے" اُن کا غافل ہونا" جب غازی جہاد نہ کرے تو کافر حملہ کرتا ہے

قہرِ خداوندی کے خلاف فرعون کی تدابیر اہلِ دُنیا کا عالمِ غیب پر حملہ کرنا ہے۔ قدرت کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے تو کافروں کو جُرأت ہو جاتی ہے۔ فرعون نے نسل کشی شروع کی

آں دُعائے بیخوداں خود دیگر ست
عشق کے بیخودوں کی دُعا اور قسم کی ہوتی ہے

آں دُعا زو نیست گفتِ داور ست
وہ دُعا اُس کی طرف سے نہیں اللہ کی طرف سے ہے

تا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ظہور نہ ہو سکے۔ قومِ عاد کی طاقت سے سب قومیں ڈرتی تھیں اور یہی حال ثمود کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! اب میں تیرا علاج شروع کرتا ہوں تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ قدرت ہر فرعون کے لئے موسیٰ کو پیدا کر دیتی ہے۔ انسان کو نیکی اور بدی کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اگر انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے تو اُس کو پتہ چل جائے گا کہ ہر کام کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اگر انسان محاسبہ کرتا رہے تو پھر محاسبہ کے دن یعنی قیامت کی اُس کے لئے ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص دُنیا میں اِرشاداتِ خداوندی کو سمجھ لے گا اُس کے لئے قیامت کے صحیح اقوال کی ضرورت نہ رہے گی۔ چونکہ انسان اِشارات کو نہیں سمجھتا اِس لئے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر انسان کی کسی بُرائی پر اُس کی گرفت نہیں ہوتی ہے تو یہ اللہ کا کرم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اللہ کو اُس بُرائی کا علم نہیں ہے۔ انسان کے ہر فعل کا اُس پر نتیجہ مُرتب ہوتا ہے۔ اگر انسان اُس مرتبہ سے بڑھنے کی کوشش کرے تو مُراقب کے مرتبہ سے بڑھ سکتا ہے۔ انسان اپنے دل کو مصفّٰی کرے تو اُس پر آخرت منکشف ہو جاتی ہے۔ جس طرح کالا لوہا صیقل کے ذریعے صورتوں کو قبول کرنے لگتا ہے' اِس طرح انسان کا دل مجاہدات کے ذریعے غیبی صورتوں کو قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لوہے نے صیقل سے حُسن اختیار کر لیا۔ اگر انسان خواہشات کو ترک کر دے تو اُس کے دل کی صیقل ہو جائے۔

قرآن میں ہے کہ ''وہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں اور خدا فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا'' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کے معنی قلب کی تیرگی کے لئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تُو نے بہت فساد پھیلایا ہے اب ایسا نہ کر۔ تیرے مزاج میں جو گندگی پیدا ہو گئی ہے اُسے زائل کر دے اور اُس میں آخرت کا مشاہدہ کر۔ انسان کی طبیعت میں زر و جواہر چُھپے ہوئے ہیں۔ انسان طبیعت کو مصفّٰی کر لے تو وہ نظر آئیں گے۔ جب ہوا کثیف ہو جاتی ہے تو وہ سورج کے لئے بھی پردہ بن جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈھکے چھپے واقعات بیان فرما دیئے تا کہ وہ اللہ کے علیم و خبیر ہونے پر ایمان لے آئے۔ فرمایا: اگرچہ تیرا دل تاریک ہے لیکن اللہ نے عبرت کے لئے بہت سے واقعات تجھ پر ظاہر کر دیئے ہیں' جو ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ یہ واقعات تجھے اِس لئے دکھائے جا رہے تھے کہ تُو ظلم و ستم چھوڑ دے لیکن تُو نے بجائے توبہ کرنے کے مزید ظلم شروع کر دیئے۔ بُری صورتیں جو تجھے نظر آئیں یہ تیری ہی تھیں لیکن تُو اُن کو اپنی نہیں سمجھتا تھا۔

حبشی کی طرح جس نے اپنا سیاہ چہرہ آئینے میں دیکھا تو اُس نے اُسے آئینے کی خرابی سمجھا' تُو بھی اپنی بُری صورت کا ادراک نہیں کرتا۔ اُس حبشی نے یہ ظلم خود اپنی صورت پر کیا۔ تجھے کبھی خواب میں اپنا لباس جلا ہوا نظر آتا تھا' کبھی اپنے

آں دُعا حق میکند چوں اُو فناست
وہ دُعا، اللہ کرتا ہے کیونکہ وہ شخص تو اُس میں فنا ہے

آں دُعا و آں اجابت از خُداست
وہ دُعا اور اُس کی قبولیت خُدا کی طرف سے ہوتی ہے

آپ کو پاخانے میں اوندھا گرا ہوا دیکھتا تھا۔ کبھی اپنے آپ کو خون ملے پانی میں غرق دیکھتا تھا۔ اِسی طرح تُو طرح طرح کے ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا ہے۔ تُو پتھروں اور پودوں سے اپنے جہنمی ہونے کی خبریں سنتا رہا ہے۔ اُس سے بھی خراب باتیں ہیں، جو تُو نے سُنی لیکن میں شرم کی وجہ سے بیان نہیں کرتا کہ تُو اور غضب ناک نہ ہو جائے۔ یہ تھوڑی باتیں تجھے بتائی ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تُو کہاں تک اپنی آنکھیں بند کرے گا۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے تُو بدکرداری سے توبہ کرسکتا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک توبہ کا دروازہ ہے۔ باقی دروازے تو کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھلے لیکن توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ بہت جلد اُس کی طرف رُجوع کر لینا چاہیے کیونکہ اُس کے بند ہو جانے کے بعد کوئی آہ وزاری کام نہ آئے گی۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کہنا کہ میری ایک نصیحت مان لے اور اُس کے بدلے میں چار (۴) فضیلتیں حاصل کرلے اور فرعون کا اُن چار (۴) کے بارے میں دریافت کرنا

فرعون نے کہا کہ اِس بات کی تشریح کر دیں کہ ایک بات کو مان کر میں کیا چار فضیلتیں حاصل کرلوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ وہ ایک یہ ہے کہ تُو اعلان کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی آسمانوں، ستاروں، انسانوں، دیو پری، دریا، پہاڑ اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بے مثال ہے اور اُس کی سلطنت غیر محدود ہے۔ وہ ہر انسان کے دل کے راز جانتا ہے، وہ متکبّروں پر زبردست ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا کہ اب وہ چار فضیلتیں بھی بتادے جو مجھے اِس کے بدلے میں ملیں گی اور میرے کفر کا موٹا قفل ٹوٹ جائے گا۔ میرے دل سے کینے کا زہر زائل ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ میں حکمِ خداوندی کے ذوق سے مست ہو جاؤں۔ میری شور زمین میں بھی سبزہ پیدا ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ میں تیری فضیلتوں پر ایمان لے آؤں۔ تُو جلدی مجھے وہ چاروں چیزیں بتادے۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا چار (۴) فضیلتوں کی تشریح کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلی تو یہ ہے کہ اگرچہ تُو اب بھی صحت مند ہے لیکن ایمان لانے پر آئندہ صحت مند رہنے کا وعدہ ہے۔ دوسری بات جو تُجھے حاصل ہوگی وہ درازیٔ عُمر ہے۔ موت تو آنی ہی ہے لیکن ایسی حالت میں آئے گی کہ تُو دُنیا سے بامقصد جائے گا۔ تُجھے پھر مرنے کی ایسی تمنا ہوگی جیسی بچّے کو دودھ کی ہوتی ہے۔

آں دُعا حق میکُند چوں اُو فناست
وہ دُعا، اللہ کرتا ہے کیونکہ وہ شخص تو اُسمیں فنا ہے

آں دُعا و آں اِجابت از خُداست
وہ دُعا اور اُس کی قبولیت خُدا کی طرف سے ہوتی ہے

دُنیا سے تنگ آ کر مرنے کی تمنا نہ ہوگی بلکہ تُو یہ سمجھ لے گا کہ جب تک یہ جسم ویران نہ ہوگا اِس کے اندر مدفون خزانہ ہاتھ نہ آئے گا۔ تُو جسمانی زندگی کو خزانۂ معرفت کے لئے پردہ سمجھے گا۔ جو لوگ جسم پروری میں لگے ہیں اُن کی مثال اِس کیڑے کی سی ہے جو ایک پتے کو چمٹا ہوا ہے اور اُس کی وجہ سے وہ انگور کی لذّتوں سے محروم ہے۔ جب اللہ کے کرم سے یہ کیڑا بیدار ہو جائے گا تو جہل اور نادانی کے کیڑے کو نگل جائے گا۔

کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ لِاُعرَفَ ”مَیں ایک چُھپا ہوا خزانہ تھا، مَیں نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں تو مَیں نے مخلوق پیدا کی تاکہ پہچان لیا جاؤں“ کی تفسیر

مخلوق سے خدا کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدائی صفات حاصل کر لیتا ہے تو اُس کے ذریعے خدائی صفات کی معرفت ہوتی ہے۔ مجاہدات کے ذریعے جسم کو اگر فنا کر دیا جائے تو وہ خزانہ ہاتھ آتا ہے کہ اِس ویران شُدہ گھر جیسے سینکڑوں اُس کے ذریعے تعمیر کر لئے جائیں گے۔ اِس جسم کو آخر کار تو فنا ہونا ہی ہے لیکن مزدوری محنت سے ملتی ہے۔ اگر اسے فنا کرنے میں تیری محنت شامل نہیں ہے تو غیبی خزانے تیری مزدوری کے طور پر تجھے نہیں ملیں گے۔ اس لئے کہ انسان کو تو اُس کی محنت اور سعی کا ہی ثمرہ ملتا ہے۔ جب خزانہ نمودار ہوگا اور وہ تیرا نہ ہوگا تو تُو افسوس کرے گا۔ اُس وقت نصیحت پر عمل نہ کرنے سے تُو افسوس کرے گا۔ جسم کا گھر تیری ملکیت نہیں ہے یہ تو کرائے کا اور عارضی گھر ہے۔ یہ کرایہ داری موت کے وقت تک کی ہے اور اِسی لئے ہے کہ اُس میں عمل کرے۔ کھانے پینے کے ذریعے تُو جسم کو دُرست کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اِس طرح تُو اُس کی شکست و ریخت کی رفوگری کر رہا ہے۔ تُو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی اولاد ہے۔ اِس عارضی دکان یعنی جسم کو مجاہدہ سے توڑ ڈال۔ اِس میں سے زر و جواہر کی کانیں برآمد ہوں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ عارضی جسم تجھ سے لے لیا جائے گا اور تُو اِس میں مدفون کان سے محروم رہ جائے گا۔ قرآن میں ہے ”پھر اُن بندوں کے لئے حسرت ہے“۔

اِنسان کا اپنی ذہانت اور اپنے طبعی تصورات سے دھوکے میں پڑنا اور علمِ غیب طلب کرنا جو انبیاء علیہم السلام کا علم ہے

انسان اپنی ذہانت اور عقل مندی کے بھروسے پر علمِ نبوّت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اُسے افسوس کرنا پڑتا ہے کہ مکان کے نقش و نگار میں مصروف ہو کر اُس کے خزانے سے محروم ہو گیا۔ وہ کہے گا کہ کاش میں مجاہدے کے تبر سے اِس خزانے کو

واسطہ مخلوق نے اندر میان　　　بے خبر زان لا بہ کردن جسم و جان
دُعا کرنیوالا فانی ہے تو درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے　　　فانی جسم و جان کو اُس دُعا کا احساس بھی نہیں ہوتا

کھو دیتا۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ

ہمہ اندر زمن بتو انیست
کہ تو طفلی و خانہ رنگینست

''جو کچھ بھی اس جہان میں ہے، وہ یہ ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور ہر طرف رنگا رنگی ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے چار (۴) فضیلتوں کی تشریح کرنا

فرعون نے کہا کہ تقریر بند کر دو اور تیسری فضیلت کی بات کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تُو ایمان لے آئیگا تو تُجھے دونوں جہانوں کی دوہری بادشاہت مل جائے گی۔ جس میں تُجھے کسی دشمن کا بھی ڈر نہ ہوگا۔ کفر کی حالت میں اللہ نے تُجھے اتنا بڑا ملک دے رکھا ہے تو اگر تُو صلح کر لے گا اور ایمان لے آئے گا تو دیکھنا کتنی بڑی سلطنت تجھے حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ چوتھی چیز جو تُجھے ملے گی وہ یہ ہے کہ تُو بقیہ عمر بھر جوان رہے گا۔ یہ چیزیں جو میں نے بتائی ہیں ایسی ہی ہیں جیسے بچے چھوٹی چھوٹی چیزیں ملنے پر خوش ہو جاتے ہیں۔

حدیث ''لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مُطابق بات کیا کرو، نہ کہ اپنی عقلوں کے انداز سے تاکہ اللہ اور اُس کا رسُول جھٹلا نہ دیا جائے''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چونکہ میرا واسطہ ایک بچے سے پڑ گیا ہے اس لئے میں ایسی باتیں کر رہا ہوں۔ جا، جسم کی جوانی لے لے۔ تُو موت تک اسی طرح رہے گا اور تجھے بڑھاپا نہیں آئے گا۔ جا یہ تیرے لئے خوشخبری ہے، جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بغیر حساب جنت میں جانے کی دی تھی۔

حدیث ''جو مجھے صفر کے نکل جانے کی خوشخبری دے گا مَیں اُسے جنّت کی خوشخبری دُوں گا اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی پہل''

اہلِ سُنّت کے مطابق بالاتفاق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مُبارک ربیع الاوّل میں ہوئی۔ آپ کا دل اِنتقال کے وقت سے پہلے ہی آگاہ ہو چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانگی کے مُشتاق تھے اور فرما رہے تھے ''اب میں رفیقِ اعلیٰ کے پاس جانا چاہتا ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھے خوشخبری دے گا کہ صَفَر کا مہینہ ختم ہو گیا ہے اور ربیع الاوّل شروع ہو گیا ہے تو میں قیامت میں اُس کا سفارشی بنوں گا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سب سے بازی لے گئے۔ جن لوگوں کو آخرت کی نعمتوں کا مُشاہدہ ہو جاتا ہے وہ اِس دُنیا سے منتقل ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جو لوگ دُنیا میں رہنے پر خوش ہوتے ہیں وہ

جُملہ شاہاں پست پستِ خویش را
تمام بادشاہ اپنے جھکنے والے کے سامنے جُھکے ہیں

جُملہ مستاں مست مستِ خویش را
اپنے عاشق کے تمام عاشق، عاشق ہوتے ہیں

بچوں کا سا مزاج رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن انعامات کا تذکرہ کر رہے تھے جو ایمان لانے پر فرعون کو انعام میں ملیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ اگر تُو ایمان لے آئے گا تو تیرا اقبال بنا رہے گا۔ فرعون نے کہا: جب تک میں اپنی بیوی سے مشورہ نہ کرلوں اُس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحتوں پر عمل کرلے۔ وہ جذبات میں رونے لگیں اور گرمجوشی سے اُسے مُبارک باد دی اور کہا کہ تُو نے اُس وقت کیوں نہ ایمان قبول کرلیا۔ ایمان پر فرعون کی بخشش کا وعدہ تو ایسا تھا کہ جیسے اللہ شیطان کی دل جوئی کرے۔ وہ بولیں کہ اگر یہ بات سورج کے کان میں پڑتی تو فوراً اس کی تمنا میں اوندھا ہو جاتا۔ اپنے جیسے گنہگار پر اللہ کی رحمت دیکھ کر تیرا پتہ کیوں نہ پھٹ گیا۔ اگر پتہ اللہ کے لئے پھٹ جائے تو اُسے شہیدوں کی طرح اللہ سے غذا ملتی ہے۔ نظامِ عالم کی بقا کے لئے خدا سے غفلت اور اندھے پن کی بھی ضرورت ہے لیکن غفلت حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر انسان ہر وقت اِستغراق میں رہے تو اُس کے علم کا سرمایہ گھٹ جاتا ہے لیکن تیری غفلت تو ناسور کی طرح کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنا تو ایسا ہے کہ ایک پھول کے عوض ایک چمن خرید لیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''جو شخص اللہ کا ہوا اللہ اُس کا ہو گیا'' ایک حدیث قُدسی ہے کہ ''جو مجھ سے محبت کرتا ہے میں اُسے قتل کر دیتا ہوں اور جس کو میں قتل کرتا ہوں اُس کا بدلہ میں خود ہوں'' پانی کی بوند کو سورج کی گرمی، ہوا اور خاک ختم کر دیتی ہیں۔ جو قطرہ دریا میں مِل گیا بظاہر وہ فنا ہوا ہے، حقیقتاً وہ زیادہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اپنی ذات کو فنا کر کے ذاتِ باری حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ قطرے کے عوض میں سمندر حاصل کرنا۔ قطرے کا دریا میں مل جانا قطرے کی عزت ہے۔ ایسی سعادت قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب تک تُو ٹیڑھی چال چلتا رہا ہے اور گناہوں میں سربلندی حاصل کرتا رہا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر کر کہ اب تک کے گناہ تیری رُسوائی کا باعث نہیں بنے۔ حیرت ہے کہ اس قدر گناہوں کے ہوتے ہوئے اللہ کا کرم تُجھے کیوں قبول کر رہا ہے۔ اُن چاروں باتوں کو فوراً قبول کر لے تاکہ بدلے میں تُجھے سینکڑوں عزتیں اور فائدے ملیں۔ فرعون بولا: میں ہامان سے ضرور مشورہ کروں گا کیونکہ وہ میرا وزیر ہے اور اُس سے رائے لینا ضروری ہے۔ آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہامان سے یہ راز نہ کہنا وہ اِس بات کے بارے میں واقف نہیں۔ کُبڑی بُڑھیا اور باز کا قصہ سُن۔

جُملہ شاہاں بردہ بردہ خود اند
تمام بادشاہ اپنے غلام کے غلام ہیں

جُملہ خلقاں مُردہ مُردہ خود اند
تمام لوگ اپنے مُردہ کے لئے مُردہ ہیں

بادشاہ کا باز اور بڑھیا

تو ہامان سے مشورہ کر کے سفید باز کو اس بڑھیا کو دے رہا ہے جو اپنی جاہلانہ بھلائی کے لئے اُس کے ناخن کاٹ دے گی۔ باز کے تمام ہنروں کا دارومدار اُس کے پنجوں پر ہی ہوتا ہے۔ بوڑھی عورت نے باز کو دیکھا تو کہا کہ باز کی ماں کہاں چل گئی تھی کہ اس کے ناخن اس قدر بڑھ گئے۔ اُس نے باز کے پنجے' لمبی چونچ اور پر کاٹ دیئے اور اُس کو کھانے کے لئے دلیا دیا' جو اُس کی غذا نہیں ہے۔ اُس نے نہ کھایا تو بڑھیا غضبناک ہوگئی اور کہا کہ نعمت بھی تجھے موافق نہیں ہے۔ اُسے بے خمیر کی روٹی دیتی لیکن وہ اُسے بھی نہیں کھاتا۔ عورت نے غصے میں گرم گرم دلیا اُس کے سر پر ڈال دیا۔ سوزش سے اُس کی آنکھوں میں سے آنسو نکل رہے تھے اور اُس کو بادشاہ کی مہربانیاں یاد آ رہی تھیں۔ اُس کی وہ نگاہیں جن سے وہ روزانہ شاہ کا دیدار کیا کرتا تھا زخم سے پُر ہوگئیں۔ اُس کی آنکھ مازاغ والی نظر رکھتی تھی جس سے وہ شاہ کا دیدار کرتا تھا۔

یہاں باز سے مراد وہ اللہ کا ولی ہے جو مخالف جاہلوں میں پھنس جاتا ہے۔ ایسے ولی کی آنکھیں محسوسات سے گزر کر مغیبات یعنی غیب بینی سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ اُس کے آنسو اس قدر قیمتی ہوتے ہیں کہ اُن کو حضرت جبرائیل علیہ السلام اُٹھا لیتے ہیں اور تبرکاً اپنے جسم پر ملتے ہیں۔ وہ ولی جو دشمنوں کے ہاتھوں تکلیف اُٹھا رہا ہے' کہتا ہے کہ مخالفوں کے غصے سے میرے استقلال میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ اگر مادی جسم ہلاک بھی ہو جائے تو کیا پروا ہے۔ اُس کی مثال تو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی سی ہے۔ خصوصیت حضرت صالح علیہ السلام میں تھی نہ کہ اونٹنی میں۔ غیرتِ خداوندی بہت زیادہ بُردبار اور حلیم ہے ورنہ اس طرح کے غیبی راز افشا کرنے سے وہ اس قدر غضبناک ہو جاتی ہے کہ عالم کو تباہ کر دے۔ شاہی تکبر نے فرعون کو نصیحت قبول کرنے سے روک دیا۔ تکبر کی وجہ ہی سے اُس نے ہامان سے مشورہ ضروری سمجھا۔ ہم جنس اپنی جنس سے مشورہ کرتا ہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے مشیر ابولہب جیسے لوگ تھے۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف تیزی سے جاتی ہے۔

ایک عورت کا بچہ جو پرنالے پر چڑھ گیا

ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بولی کہ میرا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا ہے۔ وہ میرے پاس نہیں آتا میں ڈرتی ہوں کہ کہیں گر نہ پڑے۔ اے بزرگ! خدا کے لئے میری مدد کیجئے' آپ لوگوں کی دستگیری کرنے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اُس کا ایک ہم عمر بچہ چھت پر چھوڑ دیا جائے' وہ بچہ پرنالے سے اُس کے پاس آ جائے گا۔ عورت نے ویسا ہی کیا تو وہ بچہ اُس بچے کے قریب آ گیا۔

ہر کسے گر عیب خود دیدے زپیش	کے بُدے فارغ وے از اصلاحِ خویش
اگر ہر انسان پہلے ہی سے اپنے عیب دیکھ لے	تو اپنی اصلاح کی کوشش سے کیسے فارغ ہو

بچہ اس لئے پرنالے سے اُس کے پاس آ گیا کہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی لئے انسان پیغمبر بنائے گئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں۔ جو طلبگار ہوتا ہے اُس کو اس کی جنس اپنی طرف کھینچتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر بلا لیے گئے چونکہ وہ ملائکہ کے ہم جنس تھے۔ ہاروت و ماروت فرشتے تھے لیکن انسانوں کے ہم جنس تھے' آسمانوں سے زمین پر بھیج دیئے گئے۔ کافر شیطان کے ہم جنس ہیں اس لئے اُس سے اُس کی عادتیں سیکھ لی ہیں۔ حسد شیطان کی خصلت ہے جو کافروں نے سیکھ لی۔ شیطان چونکہ اپنا سب کچھ تباہ کر چکا ہے اس لئے وہ کسی کی نیکی کو برداشت نہیں کرتا ہے اور کسی کی نیکی کی شمع کو روشن نہیں دیکھ سکتا۔

اگر انسان کے پاس کمال نہیں ہوتا ہے تو وہ دوسروں پر حسد کرتا ہے اور دوسرے کے کمال کو دیکھ کر غم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسد کا دفیعہ صرف خدا کر سکتا ہے۔ دُعا کر کہ وہ تُجھے باطن کی مصروفیت عطا کر دے تاکہ تُو اس کی طرف سے باہر کی طرف مشغول نہ ہو۔ اللہ نے بہت سی چیزوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جو دوسروں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ بھنگ بھی ہمیں دوسروں کے احوال سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ مجنوں' لیلیٰ کے "ظاہر" پر عاشق ہو کر دوسروں کے معاملات سے غافل ہو گیا تھا۔ نفس ایسی ہی مستی میں مبتلا ہے جو اُسے راہِ مستقیم سے غافل بنا دیتی ہے۔ عقل ایسی مستیوں میں رہتی ہے جس سے وہ ابدی مقام حاصل کر لیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اُس کی پرواز آسمانوں سے بالا ہو جاتی ہے۔ ہر انسان کو مستیوں میں فرق کرنا چاہیے۔ ہر مستی محمود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مستی اور خرِ عیسیٰ کی مستی میں بہت زیادہ فرق ہے۔

ہر شیخ کی صحبت میں کشش ہوتی ہے لیکن ہر کشش کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔ سالک کو امتیاز کرنا چاہیے اور وہ کشش اختیار کرنی چاہیے جو خالص ہو۔ جو کشش اللہ کی طرف لے جائے وہ کشش اختیار کرنی چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے ہوتا ہے اس لئے فرشتے اُن تک پیغام لاتے ہیں۔ جو رُوحیں انبیاء علیہم السلام کی ہم جنس ہیں وہ اُن کے ساتھ سایہ کی طرح لگی رہتی ہیں۔ اُن لوگوں میں عقل کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل فرشتہ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ خواہشاتِ نفس کا میلان اسفل کی طرف ہوتا ہے' اُس پر تُف ہے۔ فرعون کا وزیر ہامان باوجود اسرائیلی ہونے کے فرعون کا ہم جنس تھا۔ اسی لئے فرعون نے اُس کو مشورہ کے لئے منتخب کیا۔ ہامان کے مشورے سے وہ تباہی کے گڑھے میں گر گیا۔

دوزخ اور نور میں تضاد ہے اسی لئے دوزخ مومن سے کہتی ہے کہ جلدی گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو ختم کر دیا۔ تیرا نور میری آگ کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ اِسی طرح دوزخی نور سے بھاگتا ہے کیونکہ اُس کا مزاج دوزخی ہے۔ نور

غافل اند ایں خلق از خود اے پدر　　لاجرم گویند عیبِ ہمدگر

اے باپ! یہ لوگ اپنے آپ سے غافل ہیں　　اسی لیے وہ ایک دُوسرے کے عیب بیان کرتے ہیں

اور نار آپس میں ہم جنس نہیں بن سکتے۔ مومن جب اللہ کی خدمت میں دوزخ سے پناہ کی دُعا کرتا ہے تو دوزخ بھی دُعا کرتی ہے کہ فلاں کو مجھ سے دُور رکھ۔ ہر انسان میں جنسیت کی کشش ہوتی ہے اس لئے غور کر لینا چاہیے کہ اُس میں کفر کی کشش ہے یا دین کی۔ اگر انسان ہامان کی طرف مائل ہے تو وہ ہامان کی جنسیت سے ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام کی طرف میلان ہے تو وہ انسان اللہ والا ہے۔ اگر انسان کا خیر و شر دونوں کی طرف میلان ہو تو معلوم ہوا کہ اُس میں خیر و شر دونوں کی کشش جاری ہے اور نفس اور عقل کے درمیان کشمکش ہے۔ ایسے انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اُس پر عقل کا غلبہ رہے۔ اِس کشمکش میں کامیابی یہ ہے کہ انسان نفس کو ہر وقت مغلوب رکھے، جس کی طبیعت فرعونی ہو گی وہ اِس نصیحت کو قبول نہیں کرے گا۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے ہامان سے مشورہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ایمان لانے کے بارے میں جو وعدے کئے تھے اُس نے وہ سب ہامان کو بتا دیئے۔ ہامان غصے میں اُچھل پڑا اور بولا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے جرأت ہوئی کہ تجھ جیسے شاہ سے ایسی باتیں کرے۔ تُو نے سارے عالم کو تابع فرمان بنا لیا ہے اور سلطنت کے معاملات کو سونے جیسا چمکدار بنا دیا ہے۔ دُنیا کے بادشاہ تیرے در کی خاک چاٹنا فخر سمجھتے ہیں۔ مخالف لشکر ہمارے لشکروں کو دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ تُو خود اب تک معبود بنا ہوا ہے لوگ تجھے سجدے کرتے ہیں۔ اب کیا تُو غلاموں کا غلام بنے گا؟ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے مجھے قتل کر دے تاکہ تیری یہ رُسوائی اور ذِلت میری آنکھیں نہ دیکھیں۔ ایسا اب تک نہیں ہوا کہ بادشاہ غلام اور غلام بادشاہ بن جائے اور نہ ایسا ہو گا۔ یہ اسرائیلی جو اَب تک ہمارے غلام ہیں وہ شریکِ سلطنت بن جائیں گے۔ ایسی حالت سے ہمارے دوست رنجیدہ ہوں گے اور دُشمن خوش ہوں گے۔ ہماری یہ عیش و عشرت کی زندگی خاک میں مل جائے گی۔ دراصل ہامان میں عقلِ سلیم نہ تھی جس سے دُشمن اور دوست میں تمیز کر سکے اس لئے وہ اُلٹی بازی کھیل رہا تھا۔

فرعون کے ساتھ ہامان کی باتوں کی کمزوری

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہامان کی باتوں کا جواب ہے کہ اے ہامان! تُو خود اپنا دُشمن ہے۔ بے قصور لوگوں کو دُشمن نہ سمجھ۔ تُو اِس دُنیا کو دولت سمجھتا ہے جس کی ابتداء بھاگ دوڑ ہے اور آخر میں لات مار کر چل دیتی ہے۔ اگر انسان خود دُنیا کو نہیں چھوڑتا ہے تو دُنیا خود اُسے چھوڑ دیتی ہے۔ اُس نے بہت سے شاہوں کو قتل کیا ہے۔ وہ خود ناپائیدار ہے

اے خُنک جانے کہ عیبِ خویش دید
وہ شخص بہتر ہے جس کی نگاہ اپنے عیبوں کو دیکھے

ہر کہ عیبے گفت آں بر خود گزید
جب کسی عیب کو سُنے تو اُسے اپنے میں ڈھونڈے

دوسروں کو پائیداری کیا دے سکتی ہے۔ مجبوری کی وجہ سے چند انسان تعظیم کرنے لگتے ہیں تو انسان دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ لوگوں کی تعظیم ایک زہر ہے جو انسان کی رُوح کو ہلاک کر دیتا ہے۔ خود سجدے کرنے والے بھی اس زہر سے متاثر ہوتے ہیں اور اُن کو اِس زہر کا پتا تب چلتا ہے جب اُن کو ہوش آتا ہے۔ جو لوگ دُنیا میں فروتنی اختیار کرتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہیں۔ تکبر ایک زہریلی شراب ہے جسے پی کر انسان کچھ دیر مستی کا اظہار کرتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زہر اثر دکھاتا ہے اور اُس کی اپنی جان ہلاکت میں پڑ جاتی ہے۔ قومِ عاد کو دیکھ لے۔ ڈاکو بھی ہمیشہ متکبر مالدار کو لوٹتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی اسی لئے توڑی کہ اُس کا شکستہ ہونا اُس کی نجات کا باعث بن جائے۔ شکستہ ہو جا۔ امن فقر میں ہے، فقر اختیار کر۔ سایہ پست چیز ہے اُس پر تلوار نہیں چلائی جاتی۔ جو چیز زمین سے سَر اُبھارتی ہے وہی نشانہ بنتی ہے۔ تکبر اور خودی انسان کے لئے ایک ایسی سیڑھی ہے جس سے پھسل کر وہ زمین پر گرتا ہے۔ تکبر کی یہ مضرتیں تو فروعی ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ تکبر دراصل خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔ وحدت الوجود کے نظریے کے مطابق اگر تُو نے خود کو فانی نہ بنایا اور اُس کے ذریعے زندہ نہ ہوا تو اللہ کا باغی ٹھہرے گا جو کہ شرکت کے ذریعے خدائی کا جویاں ہو۔ جب تُو اُس کے ذریعے (باقی باللہ) زندہ ہو گیا تو اب تیرا وجود خود خدا کا وجود ہے تُو نہیں ہے۔ یہ خالص توحید ہے اس حقیقت کی تشریح گفتگو کے ذریعے ممکن نہیں۔ مجاہدے کے ذریعے یہ مقام حاصل ہونے سے ہی اس کی حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اِس مسئلے کے متعلق اگر میں اپنے پورے خیالات ظاہر کر دوں تو لوگوں کے جگر خون بن جائیں گے لہٰذا انہی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں جو عقلمندوں کے لئے کافی ہیں۔ غرض کہ فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا اور اُس نے اس کی راہِ ہدایت مسدود کر دی۔ قریب تھا کہ وہ ہدایت حاصل کر لیتا لیکن ہامان اُس کی بربادی کا سامان بن گیا۔ خدا ایسا وزیر کسی بادشاہ کو نہ دے جو تباہی کا سبب بنے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ایمان لانے سے مایوس ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم تو اُسے ابدی سلطنت دینا چاہتے تھے لیکن فرعون کے مقدر میں نہ تھی۔ غلط قسم کی آقائی بے دست و پا ہوتی ہے۔ جو آقائی انسانوں کی عطا کردہ ہو وہ تو انسان واپس لے سکتے ہیں۔ ایسی آقائی تو غلامی سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ ہاں جو آقائی اللہ کی جانب سے ملے وہ پائیدار اور متفق علیہ ہوتی ہے۔

گر ہماں عیبت نبود ایمن مباش
اگر وہ عیب خود میں نہ پائے تو بھی مطمئن نہ ہو

بُو کہ آں عیب از تو گردد نیز فاش
ہو سکتا ہے کسی وقت وہ عیب خود ہی میں مل جائے

عرب کے سرداروں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا کہ ملک بانٹ لو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کہ میں اس حکومت میں اللہ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہوں

اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آقائی خدائی عطیہ تھی۔ عرب سرداروں نے کہا کہ ملک تقسیم کر لیا جائے اور ہم اور تم اپنے اپنے حصے پر حکومت کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پورے ملک کی سرداری عنایت کی ہے۔ اللہ نے فرما دیا ہے کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے، اس کا حکم مانو اور پرہیزگار بنو۔ سرداروں نے عرض کی کہ ہم بھی سردار ہیں اور ہماری سرداری بھی خدا کا عطیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سرداری ابدی ہے لیکن تمہاری سرداری دنیاوی اور عارضی ہے۔ سرداروں نے کہا کہ اپنی ابدی سرداری کی کوئی دلیل پیش کرو۔ فوراً سخت حکم سے ایک ابر آیا اور اتنا پانی برسا کہ سیلاب آ گیا اور اس نے شہر کا رخ کیا۔ شہر والے فریاد کرنے لگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب امتحان کا وقت آ گیا ہے تاکہ راز ظاہر ہو جائے۔ سیلاب کو روکنے کے لئے ہر سردار نے اپنا اپنا نیزہ ڈال دیا لیکن پانی اُن کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ پھر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ اُس میں ڈالی تو نیزے گم ہو گئے لیکن شاخ نے پانی کا بہاؤ روک لیا۔ سرداروں نے جب یہ کارنامہ دیکھا تو ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان کے سوا سب سردار ایمان لے آئے۔ اے انسان! اگر تُو نے یہ نیزوں اور شاخ کا معاملہ خود نہیں دیکھا تو اُن ناموں سے اس معاملے کو سمجھ لے۔ اُن کے ناموں کو موت کا سیلاب بہا کر لے گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا پانچ وقت قیامت تک اذان میں ڈنکا بجتا رہے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو ڈرانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: اگر تجھ میں عقل ہے تو میں نے دین کی راہ دکھا کر تجھ پر مہربانیاں کی ہیں اور اگر تُو گدھا ہے تو تیرے لئے یہ میری لاٹھی ہے۔ اس دُنیا میں انسان اور حیوان تجھ سے مصیبت میں ہیں اور میری یہ لاٹھی بے ادبوں کو ادب سکھانے کے لئے ہے۔ یہ لاٹھی تیرے لئے اژدھا بنے گی چونکہ تُو خود اژدھا بنا ہوا ہے۔ متکبر کے لئے یہ لاٹھی دوزخ کا اثر رکھتی ہے اور مومن کے لئے نورِ ہدایت ہے۔ اگر تُو کہنا نہ مانے گا تو ہمیشہ میری قید میں رہے گا۔ کفر چھوڑ کر دینِ حق اختیار کر لے ورنہ دوزخ میں بُری حالت میں رہے گا۔ جو شخص قدرتِ الٰہی کا قائل ہوتا ہے وہ دوزخ اور بہشت کے بارے میں مشکوک نہیں ہوتا ہے۔

آنکہ اُو بے نقش و سادہ سینہ شُد
نقش ہائے غیب را آئینہ شُد

جو شخص بے عیب اور صاف سینہ والا ہو جاتا ہے
وہ غیب کے نقوش کا آئینہ ہو جاتا ہے

اللہ کی قدرت کو پہچاننے والا یہ دریافت نہیں کرتا کہ بہشت کہاں ہے اور دوزخ کہاں ہے؟

عالمِ غیب کے آثار اس عالمِ شہود میں موجود ہیں لیکن انسانوں کا عالمِ ناسُوت میں اِنہماک اُن کے اِدراک سے مانع ہے۔ خدا جس جگہ چاہے دوزخ پیدا کر دے۔ دانتوں میں درد پیدا کر دے اور تُو کہنے لگے کہ یہ دوزخ ہے اور لعاب دہن کو ایسا شہد بنا دے کہ تُو کہے کہ یہ بہشت ہے۔ انسان میں اگر طاقت ہے تو اُس کو کمزوروں کو تکلیف پہنچانے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ دریائے نیل فرعونیوں کے لئے خون ثابت ہوا اور اسرائیلیوں کے لئے نجات کا سبب بن گیا۔ یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ جوذات اُن جمادات کو باشعور بنا دیتی ہے وہ کس قدر علیم وخبیر ہے۔ دریائے نیل میں یہ تمیز کی قوت مِن جانب اللہ آئی۔ اللہ کبھی جمادات کو عقل مند بنا دیتا ہے اور کبھی عقلمندوں کو بے عقل۔ تمام فلکی اجرام ترتیب سے مصروفِ عمل ہیں اور اس طرح کہ اپنے مقررہ وقت سے نہ کوئی چیز تقدیم کرتی ہے اور نہ تاخیر کرتی ہے۔ اِس بات کو جب انسان انبیاء ﷺ کے ذریعے نہیں پہچانتا ہے تو اللہ جمادات میں یہ سمجھ پیدا کر دیتا ہے۔ لاٹھی اور پتھر پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ دوسرے جمادات کو بھی اللہ عقل عطا فرما دیتا ہے۔ لاٹھی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پتھروں نے آنحضور ﷺ کی اطاعت کی۔ قارون کے خزانے کے بارے میں زمین میں شعور پیدا ہوا۔ آنحضور ﷺ سے شقُّ القمر کا مُعجزہ ظاہر ہوا۔ استنِ حنّانہ حضور ﷺ کے فراق میں رویا۔ پتھروں اور درختوں نے آنحضور ﷺ کو سلام کیا۔

سُنّی اور فلسفی کی بحث اور اُس دہریہ کا جواب جو عالم کو قدیم جانتا تھا

سُنّی نے کہا کہ تمام عالم اللہ کی قدرت سے پیدا ہے۔ فلسفی نے کہا کہ تُو خود عالم کی پیداوار ہے اور پیداوار کو اُس کے بارے میں کیا علم ہو سکتا ہے جس سے وہ پیدا ہوئی۔ بارش اَبر سے پیدا ہوئی ہے تو بارش اَبر کے بارے میں کیا جان سکتی ہے۔ ذرّہ کو آفتاب کے حادث ہونے کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ گوبر میں جو کیڑا ہے اُسے زمانے کی اِبتداء اور اِنتہا کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ انسان نے اپنے باوا دادا سے عالم کے پیدا ہونے کی بات سُن لی ہے اور اِسی طرح بلاتحقیق اُس کو مانتا چلا جا رہا ہے۔ فلسفی بولا: اگر اِس معاملے میں کوئی دلیل تمہارے پاس ہے تو بتا ورنہ زیادہ باتیں نہ بنا۔ سُنّی نے کہا کہ میں نے ایک روز دو فریقوں کو اِس مسئلے پر بات چیت کرتے سُنا تھا۔ دونوں میں زوردار بحث ہو رہی تھی اور ایک مجمع جمع ہو گیا تھا۔ میں بھی اُن کی باتیں سننے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ ایک یہ کہتا تھا کہ اِس عالم کا کوئی بنانے والا ہے اور یہ نو پیدا چیز ہے۔ دوسرا یہ کہتا تھا کہ عالم قدیم ہے اس کا کوئی

نقصہا آئینۂ وصفِ کمال ، واں حقارت آئینۂ عزّوجلال
ہر قسم کا نقص، وصفِ کمال کا آئینہ ہے ، اور ذِلّت، عزّت اور جلال کا آئینہ ہے

بنانے والا نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ خود اپنے آپ کو بنانے والا ہے۔ پہلا بولا: پھر تُو پیدا کرنے والے کا منکر بن گیا جو کہ اس عالم کا رزّاق بھی ہے۔

فلسفی بولا میں بغیر دلیل کے کوئی بات نہیں سنوں گا تُو محض تقلیدی باتیں کر رہا ہے۔ سُنّی نے کہا کہ دلیل تو میری جان کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے اور وہ یہ کہ خود انسان اپنے آپ پر غور کرے تو اس سے وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال کر سکتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو پہچانا''۔ اپنی آنکھ کی کمزوری سے تُو پہلی رات کے چاند کو نہیں دیکھتا۔ میں دیکھ رہا ہوں تو مجھ پر غصہ نہ کرنا۔ اُن دونوں میں بات اتنی بڑھی کہ لوگ عالم کے حادث ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں حیران ہو گئے۔

سُنّی نے کہا: اے دوست! وہ ذوقی اور باطنی دلیل دُنیا کے حادث ہونے پر مضبوط دلیل ہے اور اس ذوق سے مجھے یقین حاصل ہے اور میرے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں اور تُو آگ میں کودیں، جو سچا ہے وہ سالم رہے گا۔ یہ دلیل قولی نہیں ہے۔ عاشق کے عشق کو دلائل سے نہیں بلکہ اُس کے آثار اور حالات سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ عاشق کے چہرے کی زردی اور آنسو دلیل ہوتے ہیں۔ عاشق کے آنسو عشق اور معشوق کے حُسن کی دلیل ہوتے ہیں۔ فلسفی نے کہا کہ میں ایسی دلیل چاہتا ہوں جو عوام بھی سمجھ سکیں۔ سُنّی نے کہا کہ اگر کھرے اور کھوٹے کی بحث ہو تو آزمائش کی یہی صورت ہوتی ہے کہ اُن کو آگ میں تپایا جائے۔ اس سے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ اس لئے تجھے اور مجھے آگ میں داخل ہونا چاہیے جو سچا ہے وہ بچ جائے گا۔ پانی سے بھی آزمائش ہو سکتی ہے۔ تُو اور میں سمندر میں کودیں جو سچا ہے وہ بچ جائے گا۔

دونوں آگ میں کودے سُنّی بچ گیا، فلسفی جل گیا۔ اِس آزمائے ہوئے اعلان کو سُن، نیکوں کا نام موت بھی نہیں مٹا سکتی کیونکہ نام والا صدر اور بزرگ ہوتا ہے، ایسے بزرگوں کی لاکھوں رُوحیں دلدادہ ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ریگستان میں بے شمار لوگوں کو پانی پلا کر اُن کی جان بچائی۔ جب بھی مخالفین نے بازی لگائی تو انبیاء علیہم السلام معجزوں کے ذریعے جیتے۔

اِن دلائل سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز نو پیدا ہے۔ اسی لئے منکروں کی تعریف میں ایک منارہ بھی تو کہیں نہیں ہے کہ جہاں سے اُن کے عقائد کا اعلان ہوتا ہو۔ بادشاہ اپنے نام سکوں پر کندہ کراتے ہیں لیکن سکّے بدلتے رہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا مُعجزہ قرآن ہے اُس کو دیکھ لے۔ قرآن میں ایک حرف کی بھی کمی یا زیادتی ممکن نہ ہو سکی۔ منکر کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوئی کہ ظاہرِ عالَم بتاتا ہے کہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے کیونکہ پیدا کرنے

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت　　اندر استکمالِ خود دو اسپہ تاخت
جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا، پہچان لیا　　وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑا ہے

والا کہیں ظاہر نہیں ہے۔ اس دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ ظاہر کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ ظاہر کو باطن کے لئے پیدا کیا جاتا ہے۔ ظاہر مقصود نہیں ہے بلکہ ظاہر سے مقصود بھی باطن ہے۔ دوا کا فائدہ دوا میں چھپا ہوا ہے اور وہی مقصود ہے۔ کہتے ہیں کہ گدھ کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے۔ کبوتر کی عمر چھوٹی ہوتی ہے۔ سب کبوتر' گدھ کو ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ باقی تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ دُنیا کی ہر چیز فانی ہے بس باقی ذاتِ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی بنائی ہے وہ کسی نہ کسی پوشیدہ حکمت کی وجہ سے ہی ہے۔

آیت "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ہم نے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ"، اُن کو صرف اِس لیے نہیں پیدا کیا جو کہ تم دیکھتے ہو بلکہ ایک معنیٰ اور باقی رہنے والی حکمت کی بُنیاد پر جس کو تم نہیں دیکھتے ہو کی تفسیر

کوئی مصور تصویر برائے تصویر نہیں بناتا ہے بلکہ اُس کا اس میں کوئی پوشیدہ مقصود ہوتا ہے۔ مصور کا مقصد دوستوں اور بڑوں کو خوش کرنا ہوتا ہے یا غائب دوستوں کی تصویر کو دیکھ کر دوست خوش ہوں۔ کمہار پیالہ اس لئے بناتا ہے کہ اُس میں پانی بھر کر پیا جائے یا اُس میں رکھ کر کوئی چیز کھائی جائے۔ خطاطی اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور شوق سے پڑھیں۔ نقش ظاہر معنی پر دلالت کرتا ہے اور معنی کسی اور مقصود پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح دُنیا کا سلسلہ قائم ہے اور اپنی اپنی عقل کے مطابق لوگ اِدراک کرتے ہیں۔ شطرنج میں جو چال چلی جاتی ہے اُس سے مقصود وہی چال نہیں ہوتی بلکہ اُس کی بنیاد پر جو اگلی چال چلنی ہو وہ مقصود ہوتی ہے۔ آخر تک کی چالیں پیشِ نظر رکھ کر چال چلی جاتی ہے اسی طرح انسان بازی جیت سکتا ہے۔ کھانے کی خواہش ہوتی ہے تو وہ ذریعہ بنتی ہے مادہ تولید کے بننے کا اور مادہ تولید سبب بنتا ہے نسل کی بقا کا۔

جو کوتاہ نظر ہے وہ سمجھتا ہے کہ کھانا صرف کھانے کے مقصود سے ہی کھایا جاتا ہے۔ ایسا کوتاہ نظر انسان گھاس کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔ اُس کے نزدیک مقصود اور غیر مقصود میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ زمین کی گھاس کے پاؤں مٹی میں پھنسے ہوئے ہیں اُس کو بلانا یا نہ بلانا یکساں ہے۔ گھاس کے ہلنے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ وہ کھڑی سر ہلا رہی ہے۔ بادِ صبا کی دعوت پر اُس کا سَر لبیک کہتا ہے لیکن اُس کا پاؤں نافرمانی کرتا ہے۔ اُس کو آفاق اور انفس کی سَیر حاصل نہیں ہے۔ وہ غائبانہ باتیں کرتا ہے اور بغیر دیکھے اندھوں کی طرح قدم بڑھاتا ہے اور توکل کا سہارا پکڑتا ہے۔ اسباب کو

اندر استکمالِ خود دو اسپہ تاخت	ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت
وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑا ہے	جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا پہچان لیا

ترک کر کے توکل اختیار کرنا غلط ہے۔ میدانِ جنگ اور شطرنج کی بازی میں جب تک اچھی چالیں نہیں چلے گا کام نہ بنے گا۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی نظریں لوحِ غیب کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں۔ اُن کے آگے پیچھے کی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دس سال میں ہونے والے واقعات کو عالمِ اَمثال میں دیکھ لیتی ہیں۔ یہ بزرگ اَزل سے تمام واقعات کے گواہ ہوتے ہیں اَبد تک کے واقعات کو بھی جانتے ہیں۔ اَزل اور اَبد اُن کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ کی طرف سے اُن کو بہت سی چیزوں کا علم عطا فرما دیا جاتا ہے۔ جو شخص جس قدر دل کو صاف کر کے اُس پر صیقل کر لیتا ہے اُسی قدر اُس کو مُغیبات کا مُشاہدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ خیال کریں کہ دل کی صفائی محض عطیہ خداوندی ہے اور انسان کی کوشش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو یہ غلطی ہے۔

انسان اگر کوشش کرتا ہے تو دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور عطیہ کرتا ہے۔ انسان کی کوشش اور دُعا بقدرِ ہمت ہے اور ہمت دینے والا بھی خدا ہی ہے۔ ناچیز انسان عرفانِ کائنات کا اِرادہ نہیں کر سکتا۔ تقدیر اِختیار کے منافی نہیں ہے۔ تقدیر کے ساتھ اِختیار باقی ہے۔ بدبخت انسان اِس اِختیار کو غلط استعمال کرتا ہے اور مصیبت آنے پر کفر کا راستہ اِختیار کرتا ہے۔ نیک بخت اِس مصیبت پر آہ و زاری کے ذریعے مزید قرب حاصل کر لیتا ہے۔ جنگ کے اثرات بہادر اور بزدل پر مختلف ہوتے ہیں اور اُس کے اِختیار ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ بہادروں کے لئے خوف پیش قدمی کا سبب بنتا ہے اور بزدل خوف سے خود بخود مر جاتا ہے۔ جان کا خوف بہادر اور بزدل کے لئے کسوٹی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے تمام مقاصد میں شیطانی وسوسوں سے بچ کر قضاءِ الٰہی سے قضاءِ الٰہی کی طرف بھاگنا چاہیے۔ ایک موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طاعون کے خطرے سے بچ کر مدینہ کی طرف واپسی کی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ قضاءِ الٰہی سے بھاگتے ہیں تو اُنہوں نے فرمایا: ''ہاں ہم قضاءِ الٰہی سے قضاءِ الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ یعنی مصالح کی بنیاد پر جو راہ بھی اِختیار کی جائے گی وہ بھی قضاءِ الٰہی ہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو وحی، ''اے مُوسیٰ! مَیں جو کہ پَیدا کرنے والا ہُوں تجھے دوست رکھتا ہُوں''

مومن کو اللہ کے معاملے میں ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: میری کون سی خصلت دوستی کا سبب ہے وہ بتا دیجیے تاکہ میں اُس میں اور اِضافہ کر لوں۔ حضرتِ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا میرے ساتھ وہی معاملہ ہے جو بچّہ کا ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ماں مارتی ہے تو بھی وہ ماں ہی کو چپٹتا ہے کسی دوسرے کی طرف مدد کے

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ	ما بقیٔ تو استخوان و ریشۂ
اے بھائی! تیری اصل تو ذکر و فکر ہے	باقی تو صرف ہڈیاں اور ریشے ہی ہیں

لئے نہیں جاتا ہے۔ تیرا مزاج بھی یہی ہے کہ ہماری جانب سے خیر ہو یا بظاہر شر تُو میری ہی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کسی دوسری جانب توجہ نہیں کرتا ہے۔ میرے سوا تیرے لئے نا قابلِ التفات ہے خواہ بچّہ ہو یا جوان یا بوڑھا۔ تُو بغیر شک کے میری طرف متوجہ ہو کر عبادت کرتا ہے۔ جب کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ تو روتے ہوئے کہتا ہے "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" اور حق کہتے ہو۔ جب کہتے ہو کہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ "تیرے غیر سے ہم مدد نہیں چاہتے" تمہاری عبادت حصر کے لئے ہے جو کہ ریا کی نفی ہے۔ دونوں جملوں کا مطلب یہ ہوا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں اور صرف اُسی سے مدد چاہتے ہیں۔

ایک بادشاہ کا اپنے مصاحب پر غصّہ کرنا اور مُجرم کی بادشاہ سے ایک سفارشی کا سفارش کرنا، بادشاہ کا سفارش کو قبول کرلینا، مصاحب کا سفارشی سے رنجیدہ ہونا

ایک بادشاہ نے ایک مُصاحِب پر کسی وجہ سے عتاب کیا اور تلوار نکال لی کہ اُسے سزا دے۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ سفارش کرے۔ عمادُ الملک جو بادشاہ کے خواص میں سے ایک تھا۔ وہ ہمیشہ سفارش کے لئے اسی طرح خاص سمجھا جاتا تھا جس طرح آنحضور ﷺ حشر میں عام شفاعت کے لئے مخصوص ہوں گے۔ بادشاہ نے عمادُ الملک کی سفارش پر تلوار ہاتھ سے رکھ دی۔ بادشاہ نے کہا کہ خواہ یہ مُصاحِب شیطان تھا' میں نے اُس کو معاف کردیا۔ شاہ نے عمادُ الملک سے کہا: مجرم کی خواہ سینکڑوں خطائیں ہوں جبکہ تُو بیچ میں آ گیا ہے میں سینکڑوں غصوں کو پی لوں گا۔ چونکہ تجھ میں اور مجھ میں بالکل اتحاد ہے۔ تیرا خوشامد کرنا بعینہٖ میرا خوشامد کرنا ہے۔ اگر تُو سفارش نہ کرتا تو خواہ زمین و آسمان تہ و بالا ہو جاتے' میں کبھی معاف نہ کرتا۔ میرا یہ بیان تجھ پر احسان رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تیرے مرتبے اور عزت کی تشریح ہے۔ یہ سفارش تُو نے نہیں کی بلکہ میں نے خود کی ہے کیونکہ تُو اپنی صفات و خواہشات کو میری صفات و خواہشات میں فنا کر چکا ہے۔ تُو تو محض سفارش کا ایک آلہ ہے' کام کرنے والا تو میں ہوں۔ میں نے سفارش تم پر لادی' تُو نے خود اِس بوجھ کو نہیں اُٹھایا۔

آنحضور ﷺ نے جب اپنی شخصیت کو ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا کردیا تو جنگِ بدر میں حضور ﷺ کا مٹھی بھر کنکریوں کو پھینکنا آنحضور ﷺ کی طرف منسوب نہ ہوا بلکہ خدا کی طرف منسوب ہوا۔ اِسی طرح جب تُو اپنی صفات کو میری صفات میں گم کر چکا ہے تو سفارش کرنا تیری طرف منسوب نہ ہوگا۔ کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰہَ میں غیر اللہ کی نفی ہے اور اِلَّا اللّٰہُ

گر گل ست اندیشۂ تو گلشنی
اگر تیرا فکر پھول ہے تو تُو عین باغ ہے

ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی
اور اگر کانٹا ہے تو بھٹی کا ایندھن ہے

میں ذاتِ باری کا اِثبات ہے۔ تو اِسی طرح تیرا میرے ساتھ معاملہ ہے۔ تُو غیر کا انکار کر چکا ہے اور مجھ میں فنا ہو چکا ہے۔ لہٰذا تُو فانی بھی ہے اور باقی بھی اور تُو محکوم بھی ہے اور حاکم بھی۔ وجودِ حقیقی صرف شاہ کا ہے تو تیرا دینا تیری طرف منسوب نہ ہوگا' شاہ کی طرف منسوب ہوگا۔ عماد الملک کی سفارش سے نجات پا جانے کے بعد وہ مُصاحب عماد الملک سے ناراض ہوگیا۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ کوئی اُسے پاگل کہتا' کوئی احسان فراموش کہتا۔ ایک ناصح نے مُصاحب سے پوچھا: ایسی بھلائی کرنے والے سے تُو کیوں ناراض ہوگیا؟ اُس نے تو تجھے قتل ہونے سے بچایا۔ ایسا محسن تو اگر ظلم بھی کرے تو اُسے خوشی سے برداشت کرنا چاہیے نہ کہ اُس کی بھلائی سے ناراض ہوا جائے۔ مُصاحب نے جواب دیا: میری جان تو شاہ کے لئے تھی' یہ بیچ میں آ کر بچانے والا کون تھا؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میرے لئے خدا کے ساتھ وہ وقت بھی ہوتا ہے' جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی مُرسَل نبی کی"۔

اُس مُصاحب نے کہا کہ مجھے شاہِ وقت سے ایسا قرب حاصل تھا جیسا آنحضور ﷺ کو ذاتِ باری تعالیٰ سے تھا۔ عماد الملک کی اِس میں گنجائش کہاں تھی؟ میں نے شاہ کے علاوہ سب کی نفی کر دی ہے اور صرف اُسی کی دوستی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اب اُس کا اِختیار ہے میرے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے' میں اُس کی رضا پر راضی ہوں۔ جو سر شاہ کے ہاتھ سے کٹ جائے وہ باعثِ فخر ہے اور جو سر دوسرے کے سامنے جھکے وہ باعثِ ذِلّت ہے۔ جس رات کو شاہ کے غصّے نے کالا کیا ہو وہ عید کے ہزاروں دنوں سے افضل ہے۔ جس کو مُشاہدۂ حق حاصل ہے اور وہ ذاتِ حق کا طواف کرتا ہے۔ اُس کے لئے قہر و لُطف میں یکساں لذّت ہوتی ہے اور وہ کفر اور اُس کی سزا سے بالاتر ہوتا ہے۔ اِس مقامِ مُشاہدہ کو کسی عبادت کے ذریعہ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ نہایت مخفی ہے۔ عبارتیں اِس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔ جسمِ انسانی اور مادی الفاظ رُوح کے اعلیٰ مقام کی تعبیرات سے قاصر ہے۔ اگرچہ عِلْمُ الْاَسْمَاء اور الفاظ کی تعلیم مِن جانب اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے لیکن وہ اَسماء اِن مادی حروفِ تہجی سے نہ بنے تھے۔ جب اِن غیر مادی اَسماء نے مادی لباس پہن لیا تو اُن کی رُوحانیت ختم ہوگئی اور اُن میں تاریکی آ گئی۔ اِن اَسماء کو مادی لباس اِس لئے پہنا دیا گیا تا کہ مادی انسان اُن کے معنیٰ سمجھ سکیں۔

مُصاحب نے کہا: اگرچہ عماد الملک نے بظاہر مجھے بادشاہ کے غصہ سے نجات دلائی لیکن میری اصل گریز گاہ خود شاہ ہے لہٰذا میں اُس کا ممنونِ اِحسان نہیں ہوں۔ میں اپنا اصل مقصود الفاظ سے نہیں سمجھا سکتا۔ الفاظ اگرچہ ایک حیثیت سے مقصد کو واضح کرتے ہیں لیکن دس حیثیتوں سے اُس میں اور ابہام پیدا کر دیتے ہیں۔ میرا اور بادشاہ کا وہی معاملہ ہے جو

جملہ خلقاں سُخرۂ اندیشہ اند
ساری مخلوق طرح طرح کے فکروں میں پھنسی ہے

زاں سبب خستہ دِل و غم پیشہ اند
اِسی لئے دل شکستہ اور غم میں مبتلا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے۔ جس طرح خلیل اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مدد کو پسند نہ کیا۔ مجھے بھی اسی لئے عماد الملک کی مدد پسند نہیں آئی۔ مشاہدہ کے بعد واسطوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مشاہدہ میں مستغرق تھے۔ اُن کو جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ ناگوار گزرا۔ ہر دل میں یہ استطاعت نہیں کہ وہ وحی کو سن سکے' اس لئے کہ وحی کو بذریعہ حروف و آواز سنایا گیا ہے۔ اگر ہر سننے والے میں وحی کو سننے کی استعداد ہوتی تو پھر حرف و آواز کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام کو فنایت کا مقام حاصل ہے لیکن میرا معاملہ اس سے بھی نازک ہے' اس میں کسی واسطے کی گنجائش نہیں خواہ وہ فنا فی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔ جبرائیل علیہ السلام کا کام فنایت کی وجہ سے خدا ہی کا کام ہے۔ لیکن وہ اس کام پر مامور نہیں ہیں ورنہ وہ کہتے کہ میں خدا کی طرف سے اُس کے حکم پر مدد کے لئے آیا ہوں۔ اس طرح کی مدد عوام کے لئے عین لطفِ خداوندی ہے لیکن عاشقانِ خدا کے لئے مناسب نہیں ہے۔ جو کام نیک لوگوں کے حسنات ہیں وہ کام بسا اوقات مقربینِ بارگاہ کے لئے گناہ شمار ہوتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے تب عوام سمجھ سکتے ہیں کہ مشاہدہ کے بعد درمیانی حروف اور واسطہ مناسب نہیں ہے۔ بہت سے مصائب پر صبر کرنے کے بعد حروف کے ذریعے اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جو شخص مصائب کے عمدہ نتائج پر نظر رکھے گا سعادت حاصل کرے گا۔ انجام پر نظر رکھنے والا سمجھتا ہے کہ دُنیا' آخرت کا کھیت ہے۔ جو یہاں بوئے گا وہاں کاٹے گا کیونکہ جس کی نظر عمدہ پیداوار پر ہوگی وہ کھیتی میں زیادہ محنت کرے گا۔

جس طرح دُنیا خود مقصود نہیں بلکہ آخرت کا ذریعہ ہے اسی طرح کوئی بھی معاملہ محض معاملے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اُس کا مقصد نفع اور فائدہ اُٹھانا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی حقیقت کا انکار محض انکار کے لئے نہیں کرتا بلکہ اُس کے پیشِ نظر بالمقابل کی مغلوبیت اور اپنی فوقیت ہوتی ہے۔ ہر کام کی محض صورت اُس وقت لذت بخش ہوتی ہے جبکہ اُس میں کوئی مقصد مضمر ہو۔ کام کرنے والے سے لوگ پوچھتے ہیں' تُو کیوں کام کرتا ہے؟ تو اُن کا مقصد اُس کے اصلی مقصود کو دریافت کرنا ہوتا ہے۔ معاملوں کی ظاہری صورت کی مثال تیل کی سی ہے اور اصل مقصود کی مثال تیل سے پیدا ہونے والی روشنی کی ہے۔ یاد رکھو! اسی طرح آسمان اور دُنیا کے پیدا کرنے سے اُن کی صورت مقصود نہیں ہے بلکہ اُن کی پیدائش میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ حکمت دان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ آسمان اور دُنیا کا پیدا کرنے والا حکیم ہے کیونکہ کائنات کا نظام اور ترتیب اس بات کے گواہ ہیں۔ حمام میں جو تصویریں لگی ہوئی ہوتی ہیں اُن کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے

قاصداً خود را باندیشه دہم　　چوں بخواہم از میاں شاں برجہم
میں قصداً اپنے آپ کو فکر میں مبتلا کرتا ہوں　　لیکن جب چاہوں اپنے آپ قابو کی وجہ فکر سے باہر آجاتا ہوں

خواہ صحیح ہو یا غلط۔ دُنیا کی ہر چیز پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے۔

حضرت مُوسٰی علیہ السلام کا اللہ سے سوال، "تو کیوں ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اُس کو تباہ کرتا ہے"؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا: اے خدا! تُو لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر مار دیتا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ حضرت حق تعالیٰ نے فرمایا: چونکہ تیرا یہ سوال انکار اور غفلت پر مبنی نہیں ہے اِس لئے میں درگزر کرتا ہوں، ورنہ سزا دیتا۔ تُو اس لئے معلوم کر رہا ہے تاکہ عوام کو ہماری حکمتوں سے آگاہ کردے ورنہ تجھے مخلوق کے پیدا کرنے میں ہماری حکمتیں معلوم ہیں۔ سوال علم کے منافی نہیں ہے۔ کسی چیز کے بارے میں سوال آدھا علم ہوتا ہے۔ اگرچہ تُو تو اس سے واقف ہے لیکن تُو چاہتا ہے کہ عوام بھی آگاہ ہو جائیں۔ کسی چیز کا علم ہو جانے کے بعد ہی اُس کے بارے میں سوال جواب ہو سکتا ہے۔ علم ہی گمراہی اور ہدایت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ نمی اور تری ہی پھل میں شیرینی کے علاوہ تلخی بھی پیدا کرتی ہے۔ ملاقات اور تعارف سے دشمنی اور دوستی پیدا ہوتی ہے اور غذا ہی سے بیماری اور صحت دونوں پیدا ہوتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام! تُو ناواقفوں کو حکمتوں سے واقف کرنا چاہتا ہے اِس لئے تجاہُلِ عارفانہ برت رہا ہے۔ ہم بھی اس کے علم سے انجان بن کر اِس کو جواب دیتے ہیں۔ دُنیا میں طریقہ رائج ہے کہ تجاہُل برت کر معاملہ کو حل کر لیتے ہیں۔ گدھا بیچنے والے آپس میں فرضی طور پر ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں کہ گاہک گدھا خرید لیتا ہے۔

اللہ نے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کھیتی بو دو۔ جب کھیتی تیار ہو گئی تو انہیں اُسے کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تُو نے خود کھیتی بوئی اور پھر اُسے کیوں کاٹ ڈالا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ کھیتی کے پکنے پر اُس میں دانہ اور بھوسا تھا اور دونوں کو ملا جُلا دینا مناسب نہ تھا۔ حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ حضرتِ حق تعالیٰ نے پوچھا کہ یہ عقل تم سے کہاں سے حاصل کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ دانش اور عقل آپ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے فرمایا: پھر یہ دانش مجھ میں کیوں نہ ہوگی۔ دیکھو انسانوں کی رُوحیں دو قسم کی ہیں ایک پاک، ایک ناپاک۔ سب انسانی جسم ایک رُتبے کے نہیں ہیں۔ کسی جسم میں موتی جیسی رُوح ہے اور کسی میں کنچ کی پوتھ کی طرح کی۔ اُن رُوحوں کو بھی اِسی طرح ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا مناسب ہے جس طرح گیہوں کو بھوسے سے، تاکہ نیک رُوحیں جنت کو چلی جائیں اور بُری دوزخ کو۔ پہلی حکمت تو مارنے کی تھی اور پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہماری صفات کا اظہار ہو جائے۔

راہِ لذّت از درُوں داں نز بروں
حقیقی لذت کا راستہ خارجی اسباب نہیں بلکہ سکونِ قلب ہے

ابلہی داں جُستن قصر و حصول
قلعوں اور محلات کی جستجو محض نادانی ہے

حدیثِ قدسی ہے کہ ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا'' مخلوقات مظہرِ صفاتِ خداوندی ہیں۔ انسان کے جسم میں جو موتی ہے اُس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اُس کی حفاظت کرنی چاہیے۔

حیوانی رُوح اور جزوی عقل اور وہم اور خیال چھاچھ جیسے اور وحی کی رُوح جو باقی رہنے والی ہے چھاچھ میں گھی کی طرح ہے

تیری سچائی کا جوہر جھوٹ میں چُھپا رہتا ہے، جس طرح گھی کا مزا لسی کے مزے میں چُھپا ہوتا ہے۔ ایک عمر تک رُوح جسم میں گم رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ جسم کی چھاچھ کو بلو کر رُوح کا مسکہ اُس سے الگ کر لیں۔ رُوح کی تربیت رسول کرتے ہیں یا وہ لوگ کرتے ہیں، جو رسولوں کے لئے بمنزلہ جُزو کے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ ''اور اِس وحی کو محفوظ رکھنے والے کان محفوظ کر لیتے ہیں'' مومن کا کان وحی کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے اور ایسا کان نبی کا ساتھی ہوتا ہے۔ بچہ پہلے ماں کی بات کو سنتا ہے اور پھر خود بولنے لگ پڑتا ہے۔ جس بچے کے کان میں سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ گونگا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ماں کی بات نہیں سُن پاتا اور ایسا اُس کے کان میں کسی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو آواز اور تعلیم کو قبول کرنے والا نہیں ہے وہ لامحالہ بولنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ بغیر تعلیم کے بولنے والا تو صرف اللہ ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ نہ تھے اِس لئے اُن کو تعلیم اللہ نے خود دی۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی بغیر تعلیم کے اپنے اُوپر سے تہمت دفع کرنے کے لئے تعلیمِ خداوندی سے بول پڑے۔ جس طرح چھاچھ میں سے مسکہ نکالنے کے لئے اُس کا بلونا ضروری ہے۔ اِس طرح رُوح کے اِظہار کے لئے جسم کو مجاہدات کے ذریعہ بلونا ضروری ہے۔ جس چھاچھ میں سے مسکہ نہ نکالا گیا ہو اُس کو محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ مسکہ نکالا جاسکے۔ اُس کو خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ جسم کو خوب اچھی طرح بلونا چاہیے تاکہ وہ رُوح کو ظاہر کر دے۔

رُوح کے مخفی ہونے کی وجہ سے اُس کو معدُوم نہ سمجھ لینا یہ جسمِ فانی اُس رُوحِ باقی کی دلیل ہے۔ رُوح جب تک جسم میں ہے جسم سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں، جو رُوح کے نکلنے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رُوح کوئی اہم چیز تھی۔ مست ساقی کی خوشامد کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ساقی موجود ہے۔ رُوح جسم میں چھپی ہوئی ہے، تُو اُس کو جیسا بنائے گا بن جائے گی۔ ظاہر اور موجود ہمیشہ مخفی چیز کی دلیل بنتا ہے۔ جھنڈے کے پھریرے پر شیر کی تصویر کے مختلف طریقوں پر متحرک ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا موجود ہے۔ شیر کی حرکتوں سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ پُروا ہوا چل رہی

آں یکے در کُنجِ مسجد مست و شاد ایک مسجد کے کونے میں مست اور خوش ہے	واں یکے در باغ ترش و بے مُراد دُوسرا باغ میں مُنہ بنائے بے مُراد بیٹھا ہے

ہے یا پچھوا۔ انسانی جسم کو جھنڈے پر بنا ہوا شیر سمجھو اور فکر و ارادہ جو رُوح سے پیدا ہوتا ہے اُس کو ہوا جیسا سمجھو۔ انسان کے جو خیالات مشرق سے آئیں انہیں صَبا اور جو مغرب سے آئیں انہیں دبور کہنا چاہیے' لیکن فکر کی ہوا کا مشرق و مغرب یہ مشرق و مغرب نہیں ہے۔

ہوا ایک بے رُوح چیز ہے۔ اُس کا مشرق بھی بے رُوح ہے' اور رُوح جس سے فکر پیدا ہوا ہے اُس کا مشرق قلب ہے۔ رُوح نے قلب کو روشن کیا ہے۔ یہ دن کا خورشید اُس کا چھلکا اور عکس ہے۔ اگر دل کو روشن کرنے والا خورشید یعنی رُوح نہ ہو تو پھر دن رات نظر نہیں آتے ہیں اور دُنیا کا سورج بے کار ہو جاتا ہے۔ سورج نہ ہو اور رُوح پاکیزہ ہو تو انسان سب کچھ دیکھ لیتا ہے اور اُس کا کام منظّم ہوتا ہے۔ رُوح خواب میں بغیر چاند سورج کے سب کچھ دیکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ نیند موت کی بہن ہے لہٰذا جب نیند کی حالت میں سب کچھ دیکھتا ہے تو مرنے کے بعد بھی سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خواب میں وہی چیزیں نظر آتی ہیں' جو انسان نے چاند اور سورج کی روشنی میں دیکھی تھیں' لہٰذا یہ کہنا کہ رُوح اپنے دیکھنے میں چاند سورج سے بے نیاز ہے غلط ہے تو اُس کی بات نہ ماننا۔ انسان خواب میں وہ مناظر اور صورتیں دیکھتا ہے جو وہ کوشش سے بھی چاند سورج کی روشنی میں نہیں دیکھ پاتا۔ اگر انسان نے وہ واقعات آنکھ سے دیکھے ہوں جو خواب میں اُس نے دیکھے ہیں تو پھر تعبیر کے لئے دوڑا نہ پھرے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خواب بیداری کی دید کا اثر ہے غلط ہے۔

یہ تو ہم عوام کے خواب کی بات کر رہے ہیں۔ خواص کا خواب تو اُن کو اِس سے بھی زیادہ اَسرارِ غیب دکھا دیتا ہے۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے۔ جب دوسرے ملک میں وہ آرام سے سوتا ہے تو وہ خواب میں ہندوستان کے حسین مناظر دیکھتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ اَسرارِ غیبی بھی اُس رُوح کو خواب میں نظر آئیں گے جس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔ گدھے میں یہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کے خواب دیکھے اور مست ہو جائے۔ جو رُوح ہاتھی کی طرح ہو گی وہ اپنے اصل وطن عالمِ غیب کو خواب میں دیکھے گی۔ اللہ کی یاد اور اُس کا ذکر رُوح کو ہاتھی صفت بنا دیتی ہے لیکن یہ کام ہر کمینے کا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت حق تعالیٰ پاک رُوح اور نفسِ مطمئنّہ کو فرماتے ہیں کہ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً "اپنے ربّ کی طرف لوٹ جا تُو بھی خوش ہے اور خدا بھی تجھ سے خوش ہے"۔ اپنے اندر تبدیلی کی کوشش کرنی چاہیے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت اختیار کر' تیرے اندر تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اگر تجھے اولیاء اللہ رحمہم اللہ نظر نہیں آتے تو اُن کے آثار دیکھ لے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے تصرّفات جاری ہیں۔ عالمِ غیب کے مُشاہدہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان خواب سے دیوانہ بن کر اُٹھتا ہے۔ جو عالمِ غیب کا خواب میں مُشاہدہ کر لیتا ہے وہ تدبیروں پر خاک ڈال دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

تا بدی بانیکی از تو نجست	یک زماں بیکار نتوانی نشست
کوئی بُرا یا اچھا خیال ہر وقت تجھے ضرور آتا ہے	تُو ایک لمحے کے لئے بھی بے کار نہیں ہوتا

نے فرمایا: ”دل میں نور پیدا ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ انسان دُنیا سے متنفر اور آخرت کا مُشتاق ہو جاتا ہے“۔ اِس بات کی تشریح کے لئے ایک قِصّہ سُن لے۔

بادشاہ جسے حقیقی بادشاہی نظر آئی، اللہ کی رہنمائی اور کُن فیکُون

ایک بادشاہ تھا جس نے حقیقی بادشاہت دیکھ لی اور قیامت کا منظر اُس کے سامنے آ گیا۔ وہ دنیاوی بادشاہت کو بچّوں کی مٹّی کے ڈھیر کی بادشاہت سمجھنے لگا تھا۔ بچّے کھیلنے میں مٹّی کے ڈھیر لگا لیتے ہیں۔ جو بچّہ کھیل میں جیت جاتا ہے وہ کود کر اُس ڈھیر پر چڑھ جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ یہ میرا قلعہ ہے جو میں نے فتح کر لیا ہے اور دوسرے بچّے اُس پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ انسان کے مراتب بلند ہونے میں سال ہا سال کی ریاضتیں ہی ضروری نہیں ہیں بلکہ بیک وقت عروج حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اُس کا حَسین بیٹا اچانک مر گیا۔ اُس کے لئے دُنیا اندھیر ہو گئی۔ سوزش کی انتہا کی وجہ سے اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ اِس خواب کی وجہ سے بادشاہ مرنے کے قریب ہو گیا اور اُس کا جسم بے کار ہو گیا لیکن اُس کی عمر ابھی باقی تھی اس لئے خواب سے بیدار ہو گیا۔ بیداری سے اُسے اِس قدر خوشی ہوئی کہ عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی۔ اب وہ خوشی سے مرا جا رہا تھا کبھی انتہائی خوشی بھی موت کا سبب بن جاتی ہے لیکن جسم اُس کی رُوح کے لئے طوق بن گیا اور اُس کو اُس نے پرواز نہ کرنے دیا۔ یہ عجب تماشا ہے کہ چراغِ زندگی غم سے بھی بُجھتا ہے اور خوشی سے بھی۔ موت کے اِن دونوں اَسباب کے درمیان انسان زندہ رہتا ہے اور اِس بات پر ہنسی آتی ہے کہ انسان کا جسم رُوح کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔

بادشاہ نے سوچا کہ ایسا غمناک خواب اِس قدر خوشی کا سبب بنے‘ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ ایک جانب موت کا سبب بنتی ہیں تو دوسری جانب زندگی کا سبب بنتی ہیں۔ جسمانی خوشی دنیاوی اعتبار سے کمال ہے‘ آخرت کے اعتبار سے زوال ہے۔ خوابوں کی تعبیر بتانے والے خواب میں ہنسی کی تعبیر رنج اور غم سے کرتے ہیں اور خواب میں رونے کی تعبیر مسرّت اور خوشی سے کرتے ہیں۔ شاہ نے سوچا اگرچہ خواب کی بات ختم ہو گئی ہے لیکن ایک بدظنی باقی ہے‘ اب اگر خدانخواستہ بچّہ مرے تو اُس کی کوئی یادگار تو باقی رہنی چاہیے۔ خدا کرے لڑکے کے مرنے کا صدمہ مجھے نہ پہنچے۔ بہرحال احتیاط کا تقاضا ہے کہ اُس کی یادگار کا بندوبست کر لینا چاہیے۔ ویسے موت کے سینکڑوں اَسباب ہیں جن پر قابو پانا مشکل ہے۔ ہم موت کے کسی راستے کو بند نہیں کر سکتے۔ موت کے آنے کے لاتعداد

ایں تقاضا ہائے کار از بہرِ آں	شد مُوکّل تا شود سِرّت عیاں
فطرت کے یہ تقاضے تم میں اس لیے ہیں	کہ تیرا عیب ظاہر ہو جائے

راستے اور دروازے ہیں۔ جب وہ دروازے کھلتے ہیں تو اُن کے کواڑ چوں چوں کرتے ہیں۔ اُن کی چوں چوں کی آواز دُنیا کی حرص کی وجہ سے کان نہیں سُنتے ہیں۔ جسم کے درد اور دشمنوں کے ظلم موت کے دروازوں کے کواڑوں کی چوں چوں ہے۔ ہر مرض کا بدن میں راستہ ہے۔ مرنے سے پہلے انسان سوچتا ہے کہ خدانخواستہ بیٹا مر جائے تو پوتا رہ جائے۔ بادشاہ اور عارف کے کام میں فرق یہ ہے کہ اُس نے فانی کا بدل فانی سوچا یعنی بیٹے کا بدل پوتا۔ بادشاہ نے جو تدبیر کی وہ دُرست نہ تھی چونکہ وہ خودی میں مبتلا تھا اس لئے اُس کی گفتگو مصیبت سے باہر نکلنے کی نہ تھی۔

نسل کے منقطع ہونے کے ڈر سے بادشاہ کا بیٹے کے لئے دُلہن چاہنا

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''بچہ باپ کا راز ہے'' اللہ نے والدین میں یہ جذبہ رکھا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں کوئی نہ کوئی ہنر پیدا کرتے ہیں کہ اُن کے مرنے کے بعد وہ ہنر باقی رہے۔ بادشاہ نے کہا: میں بھی اپنی نسل باقی رکھنے کے لئے اپنے لڑکے کی شادی کردوں گا۔ لڑکے کی دلہن کسی نیک شخص کی لڑکی کو بناؤں گا۔ دراصل باخدا انسان کو شاہ کہنا چاہیے۔ دنیادار تو شرمگاہ اور حلق کا قیدی ہوتا ہے۔ عام بادشاہوں کو بادشاہ کہنا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ حبشی کا نام کافور رکھ دیا جائے کیونکہ بادشاہ عموماً کھانے پینے اور عیاشی کے قیدی ہوتے ہیں۔ عام طور پر دُنیا میں ہر شہوت' لالچ اور آبرو کے قیدی کو میر یا صدر لکھا اور بولا جاتا ہے جو غلط ہے۔

بادشاہ کا لڑکے کے لیے رشتہ ایک زاہد کی لڑکی سے چاہنا اور گھر والوں کا اعتراض، درویشوں کے ساتھ رشتے سے ذلت محسوس کرنا

بادشاہ نے اپنے لڑکے کے لئے دلہن بنانا ایک نیک شخص کی لڑکی کو چاہا۔ بیوی نے اُس پر اعتراض شروع کر دیئے۔ شریعت اور عقل کہتی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا موزوں جوڑ ہونا چاہیے۔ بیوی بولی کہ تُو خرچ سے ڈر کر فقیر گھرانے میں لڑکے کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھو! نیک اور قانع انسان کو گدا اور فقیر کہنا دُرست نہیں ہے۔ گدا اور قانع میں بہت فرق ہوتا ہے۔ گدا ایک پیسے کے لئے سر جھکا دیتا ہے لیکن قانع خزانوں پر لات مار دیتا ہے۔ جو بادشاہ اپنی آمدنی میں حلال حرام کا فرق نہ کرے بزرگ لوگ اُسے گدا کہتے۔ ملکہ نے کہا: نہ اُن کے پاس علاقہ ہے نہ قلعے ہیں' جو وہ لڑکی کو جہیز میں دیں گے' نہ اُن کے پاس رخصتی کے وقت ڈولے پر نثار کرنے کے لئے زر و جواہر ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ مجھے اب دین کی فکر ہے اور جو شخص دین کی فکر میں لگ جاتا ہے دوسرے غموں سے آزاد ہو جاتا ہے لہٰذا مجھے جہیز وغیرہ نہ ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔ بادشاہ نے ملکہ کی باتیں نہ سنیں اور ایک نیک شخص کی بیٹی کو بیاہ لایا جو انتہائی حسین تھی۔ اے

از یک اندیشہ کہ آید در دُروں　　　صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں

فکر و خیال جو دل میں پیدا ہوتا ہے ایک معنوی چیز ہے　　　اور بعض اوقات صد جہان پر اثر ڈالتا ہے

لوگو! انسان کو دین حاصل کرنا چاہیے۔ دوسری چیزیں اِس کے تابع ہیں۔ آخرت کو اونٹوں کی قطار سمجھو اور دُنیا کو اس کی مینگنیاں اور گرے ہوئے بال سمجھو۔ اگر تُو محض اونٹوں کی اُون کے پیچھے لگا رہا تو قطار ہاتھ نہ آئے گی۔

کابلی بُڑھیا کا شہزادے پر جادو اور شہزادے کا عاشق ہونا

شادی کے بعد شہزادے پر ایک بڑھیا جادوگرنی جو کابلی تھی نے جادو کر دیا۔ وہ بُڑھیا اُس پر عاشق ہوگئی اور اُسے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ شہزادہ اُس خبیث کے عشق میں مدہوش رہنے لگا اور لاغر ہو گیا۔ ایک سال تک شہزادہ اُس کی قید میں رہا اور اُس کی جوتیاں چومتا رہا۔ سب لوگ اُس کی لاغری کو دیکھ کر دردِ سر میں مبتلا ہو گئے لیکن وہ خود اپنی حالت سے بے خبر تھا۔ بادشاہ اُس کے غم میں روتا تھا تو شہزادہ اُس کے رونے پر ہنستا تھا۔ بادشاہ صدقہ خیرات کرتا تھا تاکہ اُس کو اس جادو سے نجات مل جائے۔ اگر وہ جادو کا کوئی اور توڑ کراتا تھا تو جادو اور مضبوط ہو جاتا تھا۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے اُس کے سامنے رونا اور دُعا کرنا چاہیے۔ اِس لئے اُس نے اللہ کی عبادت اور دُعائیں شروع کر دیں کہ بے شک یہ تیرا ہی حکم ہے لیکن میں آگ کی طرح جل رہا ہوں۔ میری دستگیری فرما۔

بادشاہ کے دُعائیں کرنے سے ایک جادوگر سفر کر کے آ گیا۔ اُس نے سُن لیا تھا کہ یہاں کا شہزادہ ایک جادوگرنی کے پھندے میں ہے۔ دُنیا میں ہر ہنرمند سے بڑھ کر ایک ہُنرمند ہے اور تمام ہنرمندیاں ذاتِ باری پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ بادشاہ نے جادوگر سے کہا کہ شہزادہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا' تم کچھ کرو۔ جادوگر بولا: میں اُس کا علاج بن کر آیا ہوں۔ اِس بُڑھیا کے توڑ کا سوائے میرے اور کوئی جادوگر نہیں ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضا کے معجزے نے تمام جادوگروں کو شکست دے دی تھی میں بُڑھیا کے جادو کو تباہ کر دوں گا۔ میرا علم خداوندی اِلہام سے ہے۔ اُس نے کہا کہ صبح سویرے قبرستان جائیے اور وہاں دیوار کے پہلو میں سفید قبر ہے۔ اس سفید قبر کو قبلہ کی جانب سے کھودنا پھر تجھے خدا کی قدرت نظر آئے گی۔ اُس بُڑھیا نے ایک بال میں سینکڑوں گرہیں لگا کر جادو کیا تھا' وہ اُس قبر میں سے نکلا۔ بادشاہ اُس بال کو جادوگر کے پاس لے آیا تو اُس نے اُس کی گرہیں کھولیں اور شہزادے کو جادو سے نجات مل گئی۔

جادو ختم ہونے کے بعد شہزادہ فوراً اپنے باپ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ بہت شرمندہ تھا اور اپنے آپ کو مجرم قرار دے رہا تھا۔ جس دن جادو ہوا تھا وہ بھی ایک دن تھا اور آج جب جادو ختم ہوا ہے تو یہ بھی خوشیاں بھرا ایک دن ہے۔ اُس دن دعوت سے کتے بھی محروم نہ رہے۔ بادشاہ اِنتہائی خوش تھا اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرتا تھا۔ جب جادو ختم ہوا تو

جسمِ سُلطاں گر بصورت یک بود بادشاہ کا جسم بظاہر تو ایک ہوتا ہے	**صد ہزاراں لشکرش در پے دَوَد** لیکن لشکریوں کے ہزاروں جسموں پر حکمرانی کرتا ہے

شہزادہ اپنے معاملے پر حیران تھا۔ اب وہ اپنی دُلہن کے پاس گیا تو اُس کو انتہائی حسین پایا۔ اس کا حُسن دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور تین دن تک بے ہوش رہا جس سے لوگ پریشان ہو گئے۔ علاج ہوا تو رَفتہ رَفتہ اُسے ہوش آیا۔ ایک سال بعد دورانِ گفتگو بادشاہ نے شہزادے سے کہا کہ اپنی بڑھیا جادوگرنی کو بھی کبھی یاد کر لیا کرو۔ اب جو حالت شہزادے کی تھی تو وہ اُس بڑھیا کو یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

یہی حال ایک مومن کا ہوتا ہے کہ جب اُسے نورِ خداوندی حاصل ہو جائے تو وہ دُنیا کے ظلمت کدے کو یاد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ہم نے اِس قصّے میں جس شہزادے کا ذکر کیا ہے اُس سے ہر آدم زاد مراد ہے اور کابلی جادوگرنی سے دُنیا مراد ہے جس نے بنی آدم پر جادو کر رکھا ہے۔ اے بھائی! جان لے کہ وہ شہزادہ تُو ہے اور اِس پرانی دُنیا میں تُو نیا پیدا ہوا ہے۔ اُس نے تجھے رنگ و بُو کا قیدی بنا لیا ہے، اِس لئے ہر وقت اِس کے جادو کا توڑ سورۃ الفلق پڑھتا رہ۔ آنحضور ﷺ نے دُنیا کو جادوگرنی فرمایا ہے جو انسانوں کو دُنیا کے جادو کے کنویں میں بند کر دیتی ہے۔ دُنیا کے جادو کا توڑ ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔ دُنیا کے جادو کی گرہیں اگر عقل کھول سکتی تو نبیوں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ شہزادہ تو جادوگرنی کے چنگل میں ایک سال رہا تُو ساٹھ سال سے اُس کے جادو میں پھنسا ہوا ہے۔ دُنیا نے منتر پڑھ کر جو گرہ لگائی ہے وہ بہت سخت ہے اور وہ اللہ کے پھونکنے سے ہی کھل سکتی ہے۔ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ "میں نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی" یعنی ہو سکتا ہے کہ تیرے اندر بھی وہ رُوح آ جائے۔ دُنیا کے جادو کی پھونک اللہ کی پھونک سے چلی جائے گی۔

حدیثِ قُدسی ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ "میری رحمت میرے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے"۔ تُو سبقت چاہتا ہے تو جا کسی سابق کی تلاش کر کیونکہ قرآن میں ہے کہ "وہاں نفسوں کے جوڑ ملائے جائیں گے" یعنی جس نفس کے ساتھ دُنیا میں ہو گا وہی ملا دیا جائے گا۔ جب تک انسان بوڑھی دُنیا کے ساتھ رہے گا نہ اُس کا جادو ٹوٹے گا نہ شہزادے کی طرح دُلہن یعنی آخرت اُس کے پہلو میں آئے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ "دُنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے"۔ اگر دُنیا کا وصال ہے تو آخرت کا فراق ہے۔ دُنیا کا نقاش خدا ہے جب اُس نقش (دنیا) کی جُدائی اِس قدر شاق ہے تو (خدا) نقاش کی جُدائی کس قدر شاق ہوگی۔ جبکہ قرآن میں وعدہ ہے کہ "نیک لوگ ایسے پیالے سے پئیں گے جس کی ملونی کافور ہوگی"۔ اُس کے بچے بغیر تمہیں کیسے سکون آئے گا۔ اگر اللہ کا جلوہ تجھے ذرا سا بھی نظر آ جائے تو تُو اپنے جسم اور رُوح کو قربان کر ڈالے۔ جس طرح شہزادہ اپنی حقیقی دُلہن

هست مهمان خانه این تن اے جوان
اے جوان! یہ جسم تو مہمان خانہ ہے

هر صباحے ضیفِ نو آید دوان
ہر صبح کوئی نیا مہمان اِس میں دوڑتا آتا ہے

سے مل گیا تھا تُو بھی حقیقی محبوب کو پا لے اور دُنیا کا کانٹا اپنے پاؤں سے نکال پھینک۔ اس کی ترکیب یہی ہے کہ فنا کا درجہ حاصل کر لے۔ فنا کا درجہ جب حاصل ہو جائے گا تو تُو کسی وقت بھی خودی اختیار نہیں کرے گا اور دُنیا سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ جب نگاہِ بصیرت نہیں ہوتی ہے تو انسان نشیب و فراز کو نہیں دیکھ پاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو سے روشن ہوگئی تھی۔ تُو قدرت کے مناظر دیکھ۔ نظر روشن ہو جائے گی اور مُشاہدہ تک پہنچ سکے گا۔ انبیاء علیہم السلام کو بصیرت اسی سے حاصل ہوئی ہے۔ اُس نور کا مُشاہدہ نارِ شہوت سے نجات دیتا ہے۔ عارضی دنیاوی نور صرف وقتی چیزوں کو دکھاتا ہے اور بصیرتِ عقلی کو بیمار کرتا ہے۔ عارضی نور والا ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔ ایسے نور والے کی دوربینی ایسی ہی ہے جیسے کہ سوئے ہوئے شخص کی دُور بینی۔ سوئے ہوئے شخص کی دُور بینی یہ ہے کہ دریا کے کنارے پیاسا سو رہا ہے اور بہت دُور سے ریت کو دیکھ رہا ہے جو کہ پانی نظر آ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بہت دُور بین ہوں کہ دُور سے پانی دیکھ لیا ہے۔ خواب میں دوستوں سے اپنی دُور بینی کی شیخی بھی بھگارتا ہے۔ نہر کو چھوڑ کر خواب میں جس قدر سراب کی طرف بھاگ رہا ہے پانی سے اُسی قدر دُور ہوتا جا رہا ہے۔ سراب تک پہنچنے کا عزم نہر کے اُس پانی کا حجاب بن رہا ہے جو اُس کے قریب تھا۔ بہت سے ایسے شخص ہوتے ہیں جن کا عزم اُن کو مقصود کی اصل جگہ سے دُور کر دیتا ہے۔ سوئے ہوئے کا کسی چیز کو دیکھنا محض خیال ہوتا ہے جو بیکار ہے۔ تُو نیند میں ہے۔ اگر سونا ہی ہے تو سرِ راہ سو اور اللہ کے راستے پر سو۔ شائد کوئی اللہ کا بندہ وہاں سے گزرے تو تیرے خواب والے خیالات دُور کر دے۔ جبکہ تُو سویا ہوا ہے تو اپنی تدبیر سے راہ یاب نہ ہوگا۔ کسی باخدا کا ہاتھ پکڑ لے۔ سویا ہوا سخت پیاس محسوس کر رہا ہے اور پانی اُس کی شہ رگ سے زیادہ اُس کے قریب ہے۔

زاہد، جو قحط سالی میں مفلسی اور عیال داری کے باوجود مُسکراتا تھا

ایک زاہد قحط کے سال مسکراتا تھا جبکہ دوسرے سب لوگ روتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا: تیرے ہنسنے کا کون سا موقع ہے جبکہ بھوک نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کھیتیاں اور باغ پانی نہ ہونے سے برباد ہو گئے ہیں۔ لوگ ایسے پریشان ہیں، جیسے مچھلی پانی کے بغیر ہوتی ہے۔ تجھے مسلمانوں پر رحم نہیں آتا۔ وہ نیک مرد بولا: تمہاری نظر میں یہ قحط ہے لیکن میری نظر میں عین بہشت ہے۔ میں ہر جگہ اپنی کمر تک اونچی فصل دیکھ رہا ہوں، تو میں اپنی آنکھ کو کیسے جھٹلا دوں۔ تم لوگ فرعونی جسم کے یار ہو۔ فرعون کی طرح تمہیں بھی نیل کا پانی خون نظر آ رہا ہے۔ وہ عقل جو موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے اُس کے یار بنو تو تم پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ انسان کی اپنی اندرونی

نے غلط گفتم کہ آید دم بدم	ضیفِ تازہ فکرتِ شادی و غم
میں نے غلط کہا کہ ہر صبح کوئی مہمان آتا ہے	بلکہ ہر وقت خوشی یا غم کا خیال ہمارا مہمان بن آتا رہتا ہے

کیفیت حقائق کو تبدیل کر دیتی ہے۔ انسان جس سے ناراض ہو جائے اُسے وہ بجائے انسان کے کتا نظر آتا ہے۔ اپنی باطنی کیفیت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو بھیڑیا نظر آتے تھے۔ اگر باپ سے محبت ہو تو وہ سراسر رحمت نظر آتا ہے۔ تمام عالم حضرتِ حق کا مظہر اور اُس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے وہ تمام عالم کا باپ ہے۔ اگر تمہارے دل میں اُس سے بیزاری ہو تو یہ تمام عالم تمہیں غیر واقعی صُورت میں نظر آئے گا۔ پورا عالم عقلِ کل کی صورت ہے۔

وہ رُوحیں جنہوں نے ازل سے اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ کے جواب میں "بَلیٰ" کہا تھا۔ عقلِ کل کی تجلیات سے فیض یاب ہو سکتی ہیں۔ جب انسان کے دل میں خدا کا کفر ہوتا ہے تو اُس کو سارا جہان بھیانک نظر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ تُو مالک سے صلح کر لے تاکہ تُجھے تمام زمین انگوروں سے بھری ہوئی نظر آئے۔ میری اُس سے صلح ہے۔ اس لئے مجھے یہ دُنیا جنت کی طرح نظر آتی ہے۔ لحہ بہ لحہ مجھ پر نئی تجلیات کا انکشاف ہوتا رہتا ہے اور طبیعت کبھی مَلُول نہیں ہوتی۔ شاخوں کا ہواؤں سے ہلنا مجھے صوفیوں کا رقص معلوم ہوتا ہے اور پتوں کا بجنا گویوں کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ یہ تجلیات میرے اُوپر ناسُوت کے پردوں سے پڑ رہی ہیں جبکہ براہِ راست پڑیں گی تو کیا حال ہوگا۔ میں ہزاروں حقائق میں سے ایک بات بھی پوری نہیں بتا رہا ہوں کیونکہ سننے والے اہل نہیں ہیں۔ جن کی عقلیں ناقص ہیں وہ ان باتوں کو خوشخبری کے طور پر سنتے ہیں اور کاملین ان کا مُشاہدہ کرتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کے لئے قصّہ سُن لے۔

حضرت عُزیر علیہ السلام کی اولاد کا اُنہی سے اپنے باپ کے احوال معلوم کرنا

بعض باتیں مجوبین کے لئے خوشخبری کا درجہ رکھتی ہیں اور کاملین کے لئے مُشاہدہ کا۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب زندہ ہوئے تو اُن کی اولاد نے سُنا کہ ہمارے باپ زندہ ہو کر آ رہے ہیں۔ وہ اُن کی جستجو میں شہر کے باہر نکلے۔ حضرت عزیر علیہ السلام شہر میں آ رہے تھے۔ وہ راستے میں ملے۔ اولاد نے اُنہیں نہ پہچانا اور اُنہوں نے اُن ہی سے اُن کی خبریں معلوم کرنی چاہئیں۔ اُنہوں نے فرمادیا کہ وہ ابھی آئیں گے۔ یہ خبر اولاد کے لئے خوشخبری بنی لیکن کچھ نے اُنہیں پہچان لیا۔ اُن کے لئے یہ خبر مُشاہدہ بنی اور وہ خوشی سے بے ہوش ہو گئے۔ اُن کی اولاد بوڑھی ہو گئی تھی اور وہ خود تغیراتِ زمانہ سے محفوظ تھے۔ تو وہ جوان تھے لیکن اولاد بوڑھی ہو چکی تھی۔ اولاد نے جب اُنہیں نہ پہچانا تو اُنہوں نے اُن سے طنزاً یہ کہا کہ وہ میرے بعد آئیں گے۔ اولاد نے انہیں ہی خوشخبری دینے پر دُعا دی لیکن پہچاننے والوں نے کہا کہ خوشخبری کیا ہوتی ہے۔ وہ شُکر کی کان تو ہمارے سامنے

میزبانِ تازہ رُو شو اے خلیل　　　　در مبند و منتظر شو در سبیل
اے دوست! ہر تازہ مہمان کا میزبان ہو جا　　　　دروازہ بند کرنے کی کوشش نہ کر بلکہ راہ میں استقبال کر

ہے۔ ایک ہی بات ناقص عقل کے لئے خوشخبری کا درجہ رکھتی ہے چونکہ وہ مشاہدہ نہیں کرسکتی ہے' لیکن عقلِ کامل کیلئے وہ مُشاہدہ ہے۔ ایک ہی بات منکروں کے لئے درد اور مومن کے لئے خوشخبری ہے اور عاشق کے لئے مُشاہدہ ہے۔ عاشق مُشاہدے اور دیدار سے مست رہتا ہے اس لئے وہ کافر اور رسمی مومن سے بالاتر ہے۔ کفر اور رسمی ایمان اُس عاشق کے در کے دربان ہیں کیونکہ وہ مغز کی طرح ہے اور کفر و ایمان دونوں اِس کے چھلکے ہیں۔ ان دونوں چھلکوں میں یہ فرق ہے کہ کفر تو مُشاہدہ سے بالکل منہ موڑے ہوئے ہے اور ایمان کچھ نہ کچھ لذت چکھے ہوئے ہے۔ کفر سوکھے ہوئے چھلکے کی طرح ہے جو صرف آگ میں جلانے کے قابل ہے۔ عام مومنین کا ایمان وہ چھلکا ہے جو مغز سے جُڑا ہوا ہے۔ عشقِ الٰہی عام ایمان سے بالاتر ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معارف کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اتنی بات کردی ہے جو کہ عوام سمجھ سکیں اور باقی باتیں چُھپالی ہیں۔ انسانوں نے اپنی عقل کے سونے کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ سونے کے بُرادے کو ٹھپہ نہیں لگایا جاسکتا کہ عقل مجتمع ہوجائے۔ یہ ٹھپہ تب لگ سکے گا جب عقل مجتمع ہو کر معارف کی اہل بن جائے گی۔ انسان نے اپنی عقل کو سینکڑوں دھندوں میں بانٹ رکھا ہے اِس لئے عقل کارآمد نہیں۔ عشقِ الٰہی عقلِ انسانی کو ایک نقطہ پر جمع کردیتا ہے۔ تُو اپنی عقل کو اگر تھوڑا تھوڑا بھی اکٹھا کر کے جمع کرے گا تو کچھ نہ کچھ معارف حاصل ہوجائیں گے۔ اگر تُو اُس عقل کے سونے کو ایک مِثقال کے وزن سے زیادہ جمع کرلے گا تو پھر اُس کا ایک زرّیں جام بن جائے گا' جو شاہ کی مجلس میں پیش ہوگا اور اُس کو شاہ کا مُشاہدہ حاصل ہوجائے گا۔ اِس شاہی جام پر شاہ کا نام اور القاب اور تصویر کندہ کردی جاتی ہے۔ اب تجھے دُنیا کی ہر چیز میں حضرتِ حق کا جلوہ نظر آئے گا۔ بات اِس لئے کہی جاتی ہے کہ سننے والوں کو اس کا یقین آجائے۔ جب تک تجھ میں شرک کی کیفیت ہے تُو یقین سے خالی ہے۔ شرک کی جان اور رُوح کا تعلق ایک ذاتِ خداوندی پر مجتمع نہیں ہے۔ وہ کائنات میں بٹی ہوئی اور سینکڑوں معاملوں میں مُنقسم ہے۔ جاہلوں کے سامنے کسی مُدّعا کے ثبوت کے لئے خاموشی بہتر ثبوت ہے۔ میں بھی خاموش رہنا چاہتا ہوں لیکن میری مستی بے ارادہ میرا منہ کھول دیتی ہے جیسے چھینک یا جماہی سے بے ارادہ منہ کھل جاتا ہے۔

حدیث "مَیں اپنے رب سے ہر روز ستّر بار مغفرت چاہتا ہوں" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار بھی اسی بنا پر تھا کہ بے اختیار معارف ظاہر ہوجاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی حکمت ہے کہ عالمِ آخرت کی دراز تاریخ لوگوں کو معلوم ہو۔ اس لئے وہ بعض

ہر چہ آید از جہانِ غیب وَش
غیب کے جہان سے جو کچھ بھی آئے

در دلت ضیفست اُو را دار خوش
وہ تیرا مہمان ہے، اُسے خوش رکھ

رازداروں پر مستی طاری کر دیتا ہے تاکہ وہ بے خودی میں اُن اَسرار کو ظاہر کر دیں۔ پوشیدہ اَسرار کے اِس قدر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدائی تقریر سے مَعارف کا چشمہ اُبلنے لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دریا بہہ رہے ہیں اور اے لوگو! تم غفلت کی نیند سو رہے ہو۔ سوئے ہوئے کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دریا کی لہریں اُسی پر گرتی ہیں' اُس کے کپڑے پانی پیتے ہیں لیکن وہ پیاسا رہتا ہے۔ وہ محض پانی کی توقع پر خواب میں بھاگا پھرتا ہے' گویا اپنے آپ کو اُس دریا سے اور دُور کر رہا ہے۔ جب دوسری جگہ کے پانی کے تصور میں اُدھر بھاگتا ہے تو واقعی اپنے آپ کو مزید محروم کرتا ہے۔

جن کی رُوحیں سوئی ہوئی ہیں وہ سوئے ہوئے کی طرح کی دُور بین ہیں۔ ویسے زیادہ پیاس کی حالت میں نیند نہیں آتی لیکن بے عقل کی پیاس اُس کو مزید سُلا دیتی ہے۔ عقل وہ ہے جو خدا کی جانب سے عطا ہو۔ عطارد ستارے کی تاثیر سے انسان میں جس عقل کی نشوونما ہوتی ہے وہ دراصل عقل نہیں ہے۔ اس دنیاوی عقل سے انسان خردمند نہیں بنتا ہے۔ دُنیاوی عقل کی دوڑ صرف قبر کے گڑھے تک ہے۔ اُس کے بعد کے اَحوال اُس کے اِدراک میں نہیں آ سکتے۔ وہ صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بتا سکتے ہیں جن کو عقلِ خداوندی حاصل ہے۔ وہ لوگ قیامت تک کے اَحوال سمجھ لیتے ہیں۔ حسی قدم اور عقل ناقص ہے۔ غیب بیں عقل و بصر مُفید ہے۔ اِس غور و فکر سے قطع نظر کر اور مجاہدات میں مصروف رہ کر انتظار کر تاکہ تجھے نورِ موسوی میسر آ جائے۔ جو بھی مجاہدات کی حالت میں انتظار میں ہیں' ان کے لئے بولنا مناسب نہیں' سُننا مُفید ہے۔

علومِ ظاہری کی خواہش کی بنیاد جاہ اور رُتبہ ہوتی ہے اور خواہشِ نفس کو پورا کرنا راہِ طریقت میں بُت پرستی ہے۔ اگر انسان' عقلی' علمی یا کسی اور بڑائی کی بنیاد پر اَسرارِ معرفت حاصل کرتے تو رسولوں علیہم السلام کی بعثت بیکار تھی۔ انسانی عقل' آسمانی بجلی کی طرح کوندتی ہے جس کی روشنی میں راستہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ بجلی کی کوند راستہ دکھانے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ابر کو حکم دینے کے لئے ہوتی ہے کہ رُو! یعنی آنسو بہا۔ انسانی عقل کی کوند بھی اِسی لئے ہے کہ انسان عشقِ الٰہی میں روئے کیونکہ اِسی سے فنا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ عقلِ ناقص بچہ کی عقل کی طرح کی سی ہے۔ وہ عقل بچے کو یہ بتاتی ہے کہ مکتب میں جا لیکن وہ عقل اُسے تعلیم نہیں دے سکتی۔ بیمار انسان کی عقل اُسے طبیب کے پاس جانے پر مجبور کرتی ہے لیکن اُس کے لئے دوا تجویز نہیں کر سکتی۔ اِسی طرح عوام کی عقل اُن کو نبی اور ولی تک پہنچا سکتی ہے لیکن اَسرار کا سکھانا اُس نبی اور ولی ہی کا کام ہے۔

شیاطین براہِ راست اَسرار معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو شہابِ ثاقب مار گراتے ہیں اور اُن کو حکم ملتا

ہر چہ آید از جہانِ غیب وَش	در دلت ضیفست اُو را دار خوش
غیب کے جہان سے جو کچھ بھی آئے	وہ تیرا مہمان ہے' اُسے خوش رکھ

ہے کہ اسرار کی تعلیم نبی سے حاصل کرو۔ اسرار حاصل کرنے کا راستہ صرف نبی اور ولی کی ذات ہی ہے۔ دروازے سے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دروازے پر جا کر کنڈی بجا اور کھڑا رہ، جب اجازت ملے تو اندر جا۔ کہہ دیا گیا ہے کہ آسمانوں کا طویل راستہ طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے ایک خاکی کو نبی بنا کر اسرار بتا دیئے ہیں اُس سے جا کر سیکھو۔ یہ نبی یا ولی تمہاری خاک سے سبزہ اُگا دے گا جو مُردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اگر تم اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت دیانتداری سے اختیار کرو گے تو وہ پردہ ہٹ جائے گا جو غیبی چیزیں دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ باز جب تک مالک سے مانوس نہیں ہوتا اُس کے سر پر ٹوپی اُڑھائی جاتی ہے تاکہ اُس کا میلان دوسرے بازوں سے ہٹ کر مالک کی طرف ہو جائے۔ جب انسان کا دنیاوی چیزوں کی طرف میلان ختم ہو جاتا ہے تو اُس کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جیسے باز کی ٹوپی ہٹا دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اسی لئے مار کر بھگا دیا کہ ناقص عقل والے کو مستقل نہیں بننا چاہیے اور خودسری چھوڑ کر کسی ولی کی شاگردی کرنی چاہیے اور اپنی استعداد کو بروئے کار لانا چاہیے۔ ناقص عقل والے کو کسی شیخ کا غلام بننا چاہیے۔ شیطان نے تکبر کیا اور آدم علیہ السلام نے بندگی اختیار کی۔ دونوں کا فرق سمجھ لے کیا نتیجہ نکلا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ آیت

"اے مومنو! پیش قدمی مت کرو اللہ اور اُس کے رسُول کے سامنے اور اللہ سے ڈرو" کا بیان

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

چوں نبی نیستی ز اُمت باش	جب تُو نبی نہیں ہے، تو اُمتی بن
چوں کہ سُلطان نہ رعیت باش	جب تُو بادشاہ نہیں ہے، تو رعیت بن
پس رَو خامشا و خامُش باش	تُو خاموشوں کا پیرو اور خاموش بن جا
و ز خودی راہ زحمتی مَتراش	اور خودی سے تکلیف کی راہ اختیار نہ کر

جب تُو نبی نہیں ہے، تو اُمتی بن جب تُو بادشاہ نہیں ہے، تو رعیت بن تُو خاموشوں کا پیرو اور خاموش بن جا مرید کا کام چُپ رہنا اور شیخ کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ اپنی طرف سے باتیں بنانا اور اپنی بڑائی جتانا تباہی ہے۔ پورا موچی اُس وقت بنتا ہے جب صبر اور محنت سے سیکھتا ہے۔ ورنہ جوتے گانٹھنے والا ہی رہتا ہے۔ دراصل ہماری عقل ہمارے ہُنر سیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ شیخ بُوعلی سینا نے موت کے وقت جب عالمِ آخرت منکشف ہونے لگا تو اقرار کیا

ہیں مگو کیں ماند اندر گردنم	کو ہم اکنوں باز پرّد در عدم
خبردار! یہ نہ کہہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا ہے	کیونکہ وہ بھی عدم کی طرف پرواز کر جائے گا

کہ ان معاملات میں عقلی گھوڑے دوڑانا بیکار تھا۔ علم کے غرور نے اہل اللہ تک نہ پہنچنے دیا اور میں خیالی سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ یاد رکھ! رُوح کے سمندر میں خود تیرنے کی کوشش بیکار ہے۔ وہاں نوح والی کشتی کی ضرورت ہے۔ اگر شیخ بُو علی سینا عقلی گھوڑے دوڑانا نہ جانتا تو کسی بزرگ کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ آنحضور ﷺ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ ”میں دریائے رُوح کی کشتی ہوں۔ اُس کو میرے ذریعے پار کر سکو گے“۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کی بصیرتوں سے فیض یاب تھے اُن کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دریائے معرفت کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے اُن کی کشتی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ تو قرآن میں جواب دیا گیا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ ”آج کوئی بچانے والا نہیں ہے“۔

چونکہ آنکھوں پر پردہ ہے اِس لئے اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت حقیر اور اپنی عقل بلند نظر آتی ہے۔ یاد رکھ! جبکہ فضلِ خداوندی اُس کے شاملِ حال ہے تو اُس کو حقیر نہ سمجھ۔ اگر تیرا مزاج بھی کنعان کی طرح کا ہے تو تُو میری نصیحت کو نہ سُنے گا۔ ایسے کانوں پر مُہرِ خداوندی لگی ہوئی ہے۔ کسی کی نصیحت اللہ کی مُہر پر سے گزر کر کیسے کان تک پہنچ سکتی ہے۔ میں جو یہ نصیحت کر رہا ہوں اس بنا پر کر رہا ہوں کہ تُو کنعان صفت نہ ہو گا۔ آخر میں اُس ناقص عقل کے ناکارہ ہونے کا اِقرار کرنا پڑے گا۔ اِس لئے آخر کے معاملے کو اب ہی سمجھ لے۔ اہل اللہ کے قدم کی خاک کو سُرمہ بنا لے اور سر کے بل گرنے سے بچ جا۔ اہل اللہ کے اِتباع سے تھوڑی سی استعداد والا بھی کامل بن جاتا ہے۔ اُن کی اطاعت پہلے تو ناگوار لگتی ہے لیکن بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ اونٹ کانٹے چباتا ہے تو اُس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اگر تُو یہ ناگواریاں برداشت کرلے گا تو تیرے اندر معرفت کے گل بوٹے اُگیں گے۔ دل میں صفائی پیدا ہو جائے گی اور نورِ بصیرت حاصل ہو جائے گا۔

خچر اور اُونٹ کا قصّہ

خچر نے اونٹ سے کہا کہ میں اکثر اونچے نیچے راستوں پر منہ کے بل گر پڑتا ہوں اور بوجھ میرے سر پر آجاتا ہے۔ ہر توبہ شکن کی مثال اُس خچر کی سی ہے۔ یہ اپنی کمزور رائے کی وجہ سے پھر شیطان کے تابع ہو جاتا ہے۔ وہ توبہ کرتا ہے لیکن شیطان ایک پھونک سے پھر اُس کی توبہ کو توڑ دیتا ہے۔ تُو خود اِس قدر کمزور ہے اور بزرگوں کو ذلیل سمجھتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا: اگرچہ ہر سعادت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن ظاہری وجہ یہ ہے کہ میرا سر بلند ہے اور میری آنکھیں دُور تک دیکھ سکتی ہیں اس لئے میں بھی

فکر آں فکرِ دگر را می چرد	ہر خیالے را خیالے می خورد
اور ایک فکر کو دُوسری فکر چر لیتی ہے	اللہ کے نظام میں ایک خیال دُوسرے خیال کو

نہیں گرتا۔ بلندی سے دُور تک دیکھ لینا انسان کو تکلیف سے بچاتا ہے جس طرح کہ اُس بزرگ (حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ) نے دو سو سال بعد ہونے والے واقعے کو بتا دیا تھا کہ خرقان میں ایک بہت بڑے ولی (حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ) پیدا ہوں گے۔ کسی ولی کا کشف نہ اختیاری ہے اور نہ تمام اشیاء سے اُس کا تعلق ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھ لیا تھا کہ چاند اور سورج اُن کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اصل واقعہ کا ظہور دس سال بعد ہوا' جب اُن کے بھائیوں نے اُنہیں سجدہ کیا۔ نورِ خداوندی کے سامنے کوئی آڑ نہیں ہوتی۔ اِس لئے ہر چیز سامنے ہوتی ہے۔

اونٹ نے کہا: میری نظر تیز ہے چونکہ میں حلالی اور پاک نسل سے ہوں جبکہ تیری ولادت غلط طریقے سے ہوئی ہے۔

خچر کا اُونٹ کی پناہ پکڑنا اور اُونٹ کا اُسے نوازنا

خچر نے اونٹ کی باتوں کی تصدیق کی اور رونے لگا اور اونٹ کے پاؤں پڑ کر بولا: میری غلطی معاف فرما دیجئے اور اب تک اطاعت نہ کرنے پر میرا عذر قبول فرمالیجئے۔ اونٹ بولا: اب جبکہ تم نے اپنے عیبوں کا اقرار کر لیا ہے اور مجھ سے دستگیری چاہی ہے تو مصائب سے نجات پا گیا ہے۔ تیرے اقرار کی وجہ یہ ہے کہ تیرے عیب عارضی تھے۔ اصلی اور پکے ہوتے تو کبھی اقرار نہ کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش عارضی تھی۔ اُنہوں نے توبہ کر لی۔ شیطان کی خطا فطری اور پکی تھی اُسے توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔ اب جبکہ تُو نے توبہ کر لی ہے تو خودی اور بدعادت سے نجات پا گیا ہے۔ اب تجھے خوش نصیبی کی دولت مل گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "اے مطمئن نفس! تُو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا" تو اللہ کے عباد اور بندوں میں داخل ہو جانا جنت میں داخلے کا سبب ہے۔ انسانُ اللہ کا عبد اُس وقت بنتا ہے جبکہ اُس کی عبادت کرے۔ جب کوئی دُعا کرتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی میری سیدھے راستے پر رہنمائی کر دے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دستگیری فرماتا ہے اور اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ پہلے تُو آگ تھا اب نور بن گیا ہے۔

اے ضیاالحق رحمۃ اللہ علیہ! آپ علوم کے معارف میں اپنا شہد ملا دیں تاکہ اُس میں تغیر نہ آ سکے اور وہ اور مزیدار ہو جائے۔ آپ کی تعلیم سے وہ ناقص وجود کامل سے مل جائے گا اور اُسے بقا اور دوام حاصل ہو جائے گا۔ شہد کا خاصہ ہے کہ اُس کے اندر کی چیز تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ اے ضیاالحق! آپ اللہ کے شیر ہیں' آپ ذاتِ باری کے حقائق کو بیان کیجئے۔ جو اِن حقائق کے پیاسے نہیں ہیں وہ آپ کے معارف سے واقف نہیں ہیں۔ چوہا شیر کی دھاڑ کو نہیں سمجھتا' بُڑھیا جانور سمجھتے ہیں۔ اپنے تمام باطنی اَحوال مثنوی میں لکھ ڈالئے۔ آپ کے اَحوال دریائے نیل کی طرح ہیں' جو سبطیوں کے

یا بخسپ تا ازاں بیروں جہی	تو نتانی کز خیالے وارہی
سو جاؤ یا کسی طرح اُس خیال سے الگ ہو جاؤ	یہ تمہارے لئے ناممکن ہے کہ کسی خیال سے نجات حاصل کرو

لئے سیرابی کا ذریعہ اور قبطیوں کے لئے خون تھا۔

ایک قبطی اور سبطی کا قصہ، دریائے نیل کے بارے میں

ایک قبطی پیاس کی وجہ سے ایک سبطی کے گھر آیا اور بولا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو کے زور سے ہمارے لئے دریائے نیل کا پانی خون بنا دیا ہے۔ اسی دریا سے اُن کے ساتھی (سبطی) پانی پی رہے ہیں لیکن وہی ہمارے لئے خون بن گیا ہے۔ میں پیاس سے مر رہا ہوں۔ یہ خون صرف ہمارے لئے بدقسمتی یا بقول موسیٰ علیہ السلام بدفطرتی ہے۔ تُو یہ کر کہ اپنے لئے پانی بھر لا میں بھی اُس میں سے پی لوں گا۔ تُو اپنے لئے بھرے گا تو وہ پاک صاف رہے گا خون نہ بنے گا میں تیرا طفیلی بن کر پانی پی لوں گا۔ طفیلی ہر قسم کے فکر سے آزاد ہوتا ہے۔ سبطی نے کہا کہ میں تیری فرمائش پوری کر کے خوشی محسوس کروں گا۔

اُس سبطی نے طشلا نیل کے پانی سے بھرا اور آدھا خود پی گیا اور آدھا قبطی کی طرف جھکایا تو وہ خون تھا۔ پھر سبطی نے اپنی طرف جھکایا تو وہ پانی تھا۔ قبطی کو بہت غصہ آیا کچھ دیر کے بعد جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو قبطی نے سبطی سے پوچھا کہ یہ گرہ کیسے کھلے گی۔ سبطی نے کہا کہ یہ پانی صرف مُتّقی پی سکتے ہیں اور مُتّقی وہ ہے جو فرعون سے بیزار ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں داخل ہو جائے۔ تُو اُن کا اُمتی بن جا اور پانی پی لے۔ کیونکہ خدا کے مقبول بندوں پر تجھے غصہ آتا ہے اس لئے تیری آنکھوں پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیرے پہاڑ جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیل کا پانی پینا ایسا ہی ہے جیسے سوئی کے نکوے میں پہاڑ کو داخل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنے کفر کے پہاڑ کو توبہ کے ذریعے گھاس کا تنکا بنا دے، پھر سبطیوں کا جام لے کر خوب پانی پی لے۔ تیرا یہ حیلہ کہ میں پانی بھروں اور تُو پی لے غلط ہے۔ اللہ نے جب پانی کو حکم دے دیا ہے کہ وہ قبطی کے لئے خون ہے تو وہ نافرمانی نہیں کر سکتا۔ کافر کے لئے روٹی بھی جو روح کو تقویت دینے کے لئے ہے اپنا کام نہیں کرتی بلکہ اُلٹا اثر دکھاتی ہے۔

اگر مثنوی جیسی کتاب کو بھی تُو بے کار سمجھ کر پڑھے گا تو اس سے کوئی نصیحت حاصل نہ کر سکے گا۔ کیسی ہی دانائی کی بات ہو وہ ناقص انسان کے کان میں نہیں پہنچتی۔ وہ محض اس کو افسانہ سمجھے گا۔ اس کے مغز اور گودے تک نہ پہنچ سکے گا۔ اُس شخص کے لیے مغز کی یہ حالت ہوگی جیسے کوئی معشوق سر اور منہ پر چادر تانے لیٹا ہو۔ تو ظاہر میں اُس کے حسن کو نہ دیکھ سکے گا۔ منکر اپنے تکبر کی وجہ سے شاہنامہ فردوسی، کلیلہ و دمنہ اور مثنوی کو یکساں ہی سمجھتا ہے۔ حقیقت اور مجاز کو انسان جب ہی سمجھتا ہے جب اُس کو بصیرت حاصل ہو۔ وہ انسان جس کی ناک میں سونگھنے کی حس نہ ہو وہ خوشبو کا احساس نہیں کر

فکر زنبور ست و آں خواب تو آب
تیرا خیال تیرا پیچھا کرتی ہوئی شہد کی مکھی کی طرح ہے

سکتا۔ محض جی بہلانے کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا بھی اپنے آپ کو قرآنی حقائق سے محروم رکھنا ہے۔ انسان اگر محض دل کی پریشانی اور رنج کو دُور کرنے کے لئے قرآن پڑھے تو بھی اُس کے حقائق سے غافل رہتا ہے۔ محض وقت کاٹنے کے لئے تو قرآن اور افسانہ یکساں کام کرتا ہے۔ نیند اور شراب دونوں وسوسوں اور دل کے خیالات کو رفع کرتے ہیں لیکن دونوں میں بہت فرق ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک کو کلام اللہ اور رُوحانی کلام سمجھ کر پڑھے تو دل کے وسوسے بالکل زائل ہو جائیں گے اور دل کو باغِ جنت کا راستہ مل جائے گا۔ جو شخص قرآن کے حقائق سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ جنت کے باغات اور نہروں کی سَیر کرتا ہے۔

جس طرح عوام قرآن کی حقیقت تک نہیں پہنچتے اسی طرح وہ نبی علیہ السلام کے چہرے کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوتا تھا کہ یہ منکر لوگ میرے چہرے کے نور کو جو کہ مشرق کے سورج سے زیادہ مُنوّر ہے کیوں نہیں دیکھتے ہیں اور میری تعلیمات پر کیوں حیران ہوتے ہیں۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا چاند اُن سے پوشیدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی مثال بدلی کے چاند کی طرح ہے۔ آپ کی جانب وہ چاند ہے اور منکرین کی جانب اُس پر بدلی چھائی ہوئے اور یہ اِس لئے ہے کہ جب وہ اِس سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے ہیں تو اُن کو دیدار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ قرآن میں بتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ بظاہر دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہی حال منکرین کا ہے۔ بُت پرست بُت کی آنکھ کے سامنے اُس کی تعظیم بجالاتا ہے پھر تعجب کرتا ہے کہ اِس قدر تعظیم کرنے کے باوجود یہ بُت میرا کچھ خیال نہیں کرتا۔ یہ دیکھ رہا ہے لیکن مجھے جواب نہیں دیتا، میرے سلام کا بھی جواب نہیں دیتا۔ میرے سجدوں کے جواب میں اگر زبان سے نہیں بولتا تو کم از کم سر کی جنبش سے ہی جواب دے دے۔ ویسے اللہ بھی کسی کے سجدوں کا نہ جواب دیتا ہے نہ سر ہلاتا ہے لیکن دل میں خاص قسم کی تاثیر پیدا کر دیتا ہے، یہ فرق ہے۔ اپنے پوجنے والے کو اللہ وہ مرتبہ عنایت فرما دیتا ہے کہ دُنیا والے اُس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ عبادت گزار کو خدا ایسا ہی کندن بنا دیتا ہے جس طرح پتھر کو سونا بنا دیتا ہے۔ اللہ ماہِ نیساں کے ابر کے ایک قطرے کو موتی بنا دیتا ہے جو سونے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ بُت تراشی اور نقاشی میں ماہرِ فن، چشم و ابرو پر مختلف تاثرات ظاہر کر دیتے ہیں اور بے وقوف اُسے دلیل سمجھ لیتے ہیں۔

قبطی کا سبطی سے دُعائے خیر اور رہنمائی کی درخواست کرنا

قبطی نے سبطی سے کہا کہ میرے لئے ہدایت کی دُعا کر دے کیونکہ دل

چند زنبورِ خیالی در پرد
خیالات کی مکھیاں انسان کو گھیرے رکھتی ہیں

میکشد این سو و آن سو می برد
کوئی انہیں اِس طرف کھینچتی ہے کوئی اُس طرف

کی سیاہی کی وجہ سے میں دُعا والا منہ نہیں رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تیری دُعا سے میرے دل کی گرہ کھل جائے۔ میں مسخ شُدہ انسان ہوں۔ اُس نے سبطی کے ہاتھ کو حضرت مریم علیہا السلام کا ہاتھ قرار دیا۔ جس کی برکت سے خشک کھجور پھل دار ہو گئی۔ سبطی، قبطی کی درخواست پر سربسجود ہو گیا اور دُعائیں کرنے لگا۔ خدا کا بندہ خدا کے سامنے دستِ دُعا دراز کر سکتا ہے، دُعا کی توفیق اور قبولیت اللہ ہی دیتا ہے۔

نہ کس می دھاند نہ کس می دہد
خُدا می دھاند خُدا می دہد

"نہ کوئی دلاتا ہے اور نہ کوئی دیتا ہے۔ اللہ ہی دلاتا ہے اور اللہ ہی دیتا ہے"۔

سبطی تو دُعا میں مصروف تھا اور اُس کی مقبولیت کا اثر یہ ہوا کہ قبطی نعرے مارنے لگا اور سبطی سے بولا: جلدی ایمان پیش کرتا کہ مومن بنوں اور کفر کا زنار کاٹ پھینکوں۔ تیری دوستی نے میری دستگیری کر دی ہے۔ تیری صحبت میرے لئے کیمیا ثابت ہوئی ہے۔ خدا کرے میرے دل کے گھر سے تیرا قدم نہ نکلے۔ تُو جنت کے درخت کی شاخ ہے جس کو میں نے پکڑا اور جنت میں داخل ہو گیا۔ سبطی، قبطی کے پاس پانی کا طشلا لایا اور کہا: اب پانی پی لے۔ اُس نے کہا: اب مجھے اس پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "خدا نے مومنین کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے"۔ اب اللہ نے میرے باطن میں چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ میرا جگر خشک اور پیاسا تھا اب یہ پانی اُس کے لئے ناچیز ہے کیونکہ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ "وہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے۔ اے اللہ کے بندے!"۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وہ سچا ہے تو بلا سبب بھی ہر بہتری پہنچا سکتا ہے جس میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ وہ سخت مصائب کو آسان کر سکتا ہے۔ بغیر اُستاد اور کتاب کے علوم عطا کر سکتا ہے اور بغیر روٹی کے پیٹ بھر سکتا ہے۔ بلا لشکر فتح دے سکتا ہے اور بغیر دُعا صحت عطا کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ایک دل اور ایک لاٹھی دی اور اُس کے ذریعے عالم کو فتح کرا دیا۔ اُن کو ید بیضا بھی عطا ہوا جس کا نور سورج پر بھی غالب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو سات سروں والا سانپ بنا دیا جسے کسی نر و مادہ نے نہیں جنا تھا۔ اللہ اپنی حکمت اور قدرت سے اگر چاہے تو نیل کے پانی کو خون میں تبدیل کر دے۔ وہ چاہے تو خوشی کو ایسا تلخ بنا دے کہ خوشی کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ جو کوئی ایمان لے آتا ہے تو فرعون سے بے زار ہو جاتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی رحمتوں سمیت آ جاتا ہے تو وہ باطن سے تعلق جوڑ دیتا ہے اور دریا پھر کبھی خون نہیں بنتا۔ قبطی بولا: میرا خیال تو یہ

وان دگر ہا را شناسد ذوالجلال	کمترین آکلانست این خیال
بڑی کھانے والی چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے	انسان کو کھا جانیوالی چیزوں میں سے اسکے خیالات سب سے کم درجہ پر ہیں

تھا کہ ایمان لانے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ میں نیل کا پانی پی سکوں گا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ میرے اندر انقلاب برپا کردے گا اور خود مجھے دریائے نیل بنادے گا۔ اب میں اپنی نظر میں رواں نیل ہوں خواہ مجھے دوسرے ویسا سمجھیں جیسا کہ میں پہلے تھا۔

ایک چیز کی دو نظروں میں دو حقیقتیں ہونا تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ کائنات کی چیزوں کو ہم خاموش اور سرکش سمجھتے ہیں لیکن آنحضور ﷺ اُن کو تسبیح پڑھنے والا دیکھتے ہیں۔ اُن کی نگاہ میں تمام کائنات عشقِ الٰہی سے پُر تھی لیکن دوسرے اُسے مردہ سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز میں حضور ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ جو ڈھیلا' پتھر حضور ﷺ کے سامنے آتا وہ اُنہیں سلام کرتا۔ یہ عجیب پردہ ہے' عوام کچھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ سُن سکتے ہیں اور خواص پتھروں کی تسبیح اور ذکر کو سُنتے ہیں۔ ہماری نگاہ کے سامنے ساری قبریں یکساں ہیں' اولیاء رحمہم اللہ کے سامنے باغ اور گڑھے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی ایک حالت کو دیکھ کر عوام کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تُرش رُو ہوگئے ہیں۔ خواص کہتے ہیں تمہاری نظر میں ایسے ہونگے لیکن ہماری نگاہ سے اُنہیں دیکھو تو اُن میں مسکراہٹیں دیکھو گے۔ اُن پر "هَلْ أَتَىٰ" نازل ہوئی ہے۔

اُمرود کے درخت پر چڑھ کر دیکھنے سے چیزیں اُلٹ نظر آتی ہیں' جیسا کہ آئندہ حکایت سے معلوم ہوگا۔ وہ اُمرود کا درخت تیری اپنی ہستی ہے۔ جب تک تُو اُس کو فنا نہیں کرے گا تجھے نئی چیز پرانی نظر آئے گی۔ جب تُو خودی کو چھوڑ دے گا پھر اللہ کے فیض کے اَسرار دیکھ سکے گا۔ جب تُو نیچے آجائے گا تو دیکھے گا ایک دُنیا حسینوں اور پالنے والوں سے بھری پڑی ہے۔

ایک بدکار عورت کا شوہر سے کہنا" اُمرود کے درخت پر سے انسان کو جو خیالات نظر آتے ہیں' نیچے آنے سے دُور ہو جاتے ہیں"

ایک عورت نے یہ چاہا کہ اپنے احمق شوہر کے سامنے اپنے یار سے ملے۔ وہ شوہر سے بولی کہ میں پھل توڑنے کے لئے درخت پر چڑھتی ہوں۔ جب درخت پر چڑھ گئی تو اُوپر سے شوہر کی طرف دیکھ کر رونے لگی اور بولی: اے مفعولِ مردود! یہ تمہارے اُوپر کون لوطی پڑا ہے؟ کیا تُو ہیجڑا ہے؟ شوہر بولا: کہیں تیرا سر تو نہیں چکرا رہا۔ یہاں تو میرے سوا کوئی بھی نہیں ہے تُو بہت بے عقل ہوگئی ہے' نیچے آجا۔ وہ نیچے آگئی اور شوہر اُوپر چڑھ گیا تو عورت نے اپنے یار کو بغل میں دبالیا۔ شوہر نے دیکھا تو بولا: اے رنڈی! یہ کون ہے جو بندر کی طرح تیرے اُوپر چڑھ گیا ہے؟ وہ بولی: کوئی بھی نہیں ہے' یہ تیرے امرود کے درخت پر چڑھنے کا اثر ہے' نیچے آکر دیکھ لے کوئی بھی نہیں ہے۔

وَاں دگر ہا را شناسد ذُوالجلال	کمترین آکلانست این خیال
بڑی کھانے والی چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے	انسان کو کھا جانیوالی چیزوں میں سے ایک خیالات سب سے کم درجہ پر ہیں

مولانا روم ﷫ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قصہ جو ایک مذاق ہے محض تعلیم کے لئے سُنا دیا ہے تم اِس کے ظاہر کو نہ دیکھو اُس میں جو نصیحت ہے اُس پر نظر کرو۔ جو عقل مند لوگ ہوتے ہیں وہ مذاق کی بات میں سے بھی نصیحت حاصل کر لیتے ہیں۔ کامل لوگ چاہتے ہیں کہ اُمرود کے درخت پر چڑھیں جو اُن کو صحیح دکھائے یعنی وہ ہستی دیکھ لیں جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اُمرود کا درخت دُور ہے۔ پہلے اپنے اُمرود کے درخت یعنی اپنی خودی اور اپنی ہستی کو چھوڑ دے پھر چل، تب تجھے حاصل ہوگا۔ اُس ہستی کے ہوتے ہوئی تیری نظر خیرہ ہے وہ نظر نہ آئے گا۔ یہ اُمرود کا درخت جس سے غلط نظر آتا ہے یہ تیری خودی اور اِبتدائی وجود ہے۔ جب تُو خودی کے درخت سے اُتر آئے گا تو تیرا خیال، آنکھ اور گفتگو سیدھی ہو جائے گی اور تُو دیکھے گا کہ وہ تیرا درخت بہت سخت تھا اور اُس کا پھیلاؤ بہت تھا۔ تُو خودی چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اُس درخت کو تبدیل کر دے گا۔ دُعا اور عاجزی کرے گا تو اللہ تیری نظر کو صحیح دیکھنا عطا فرما دے گا۔ صحیح دیکھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اگر آسان ہوتا تو حضور ﷺ یہ دُعا کیوں مانگتے۔ ''اے خدا! ہمیں چیزیں ویسی ہی دکھا جیسی کہ وہ اصلیت میں ہیں''۔ حضور ﷺ نے دُعا کی کہ اے خدا! ہمیں آسمان اور زمین کا ہر ہر جُز اُسی طرح دکھا جیسا وہ تیرے نزدیک ہے۔

جب انسان کی خودی اور ہستی فنا ہو جائے تو پھر بقا باللہ کی ہستی میسر آ جائے گی۔ اُس کو اِختیار کر لے۔ اب تیرا یہ درخت وہ درخت ہوگا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلّی رَبّ نظر آئی تھی۔ اب آگ اُس پر اُلٹا اثر کرے گی اور اُس کی ہر شاخ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ کا نعرہ لگائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت سے یہ آواز آتی تھی کہ ''میں بے شک خدا ہوں''۔ اب اُس ہستی کے سایہ میں تیری ساری ضرورتیں پوری ہوں گی۔ یہ خدائی کیمیا ہوتی ہے کہ فانی ہستی کو باقی ہستی بنا دیتی ہے۔ اب یہ خودی اور ہستی ایک دولت ہے، اُس میں خدائی صفات نظر آتی ہیں۔ کجی کو ترک کرنے کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کج رَوی کو ترک کر دو۔ اب دُعاؤں کا سہارا نہ لو اور کھل کر فرعون کا مقابلہ شروع کر دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا تو اُس کے جلوے نظر آئے۔ اِسی طرح تیرا یہ فانی جسم عصاءِ موسیٰ علیہ السلام ہے اُس کو ترک کر دے پھر جو جسم حاصل ہوگا اُس کے جلوے دیکھنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب تک اُن کے ہاتھ میں تھا ایک لکڑی تھا جب خدائی حکم سے اُسے پھر اُٹھایا تو وہ نگلنے والا اژدھا تھا۔ شروع میں وہ صرف بکریوں کے پتے جھاڑنے کے لئے تھا لیکن اب وہ کافروں کے لئے مُعجزہ بن گیا۔ اَمرِ خداوندی سے جب اُسے ہاتھ میں لیا تو وہ حکمرانی کرنے لگا۔

چوں بہر فکرے کہ خواہی دِل سپُرد | از تو چیزے در نہاں خواہند بُرد
جب تو اپنے دِل کو کسی فکر میں مُبتلا کرے گا | تو وہ تیری اعلیٰ چیز چپکے سے چُرا لیں گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ اہلِ فرعون کا انجام تو بُرا ہے ہی لہٰذا اُن کو معجزے دکھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کیوں کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی طرح اُن کے انجام کے قطع نظر تم تبلیغ کیے جاؤ۔ تم فرمانبردار داعی ہو تمہارا کام تبلیغ کرنا ہے خواہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یقیناً ہوگا کہ تمہارے اصرار سے اُن کا جھگڑالو پن اور سرکشی واضح ہو جائے گی۔ مخلوق کی پیدائش سے اللہ کا مقصد چُھپے ہوئے حالات کو واضح کرنا ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ انسان کو نصیحت سے اور بہکانے سے جانچا جائے تاکہ اُن کے مخفی حالات ظاہر ہوں۔ شیطان گمراہی پر اصرار کرتا ہے اور شیخِ طریقت بھلائی پر اصرار کرتا ہے اور ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔

قبطیوں کا مُعاملہ سخت ہونا اور فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی سفارش چاہنا

جب قبطیوں کی حالت تباہ ہونے لگی تو فرعون بذاتِ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ خوشامد کرنے لگا اور تعظیم سے پیش آنے لگا۔ کہنے لگا: ہم نے جو کیا وہ بُرا تھا' آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیجئے۔ ہمارا منہ تو اس لائق نہیں ہے کہ آپ سے دُعا کی اِلتجا کریں۔ میں آپ کا فرماں بردار ہوں۔ میں عزت کا عادی ہوں میری سخت پکڑ نہ کیجئے۔ آپ دُعا کیجئے کہ ہماری تکلیفیں دُور ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے خدا! یہ مجھ کو جو کہ آپ کی ذات پر فریفتہ ہوں یہ دھوکا دے رہا ہے۔ آپ فرمائیں کہ کیا میں اُس کا کہنا مان لوں یا میں بھی اُسے کوئی دھوکا دے دوں تاکہ یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اصل میں ہر سبب کی جڑ خدا ہے۔ ہر مکر و تدبیر کی اصل خدا ہی ہے۔ جو اَسباب دنیاوی ہیں اُن کی اصل بھی اللہ ہی ہے۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ فرعون اِس قابل بھی نہیں ہے کہ اُس کے فریب کا جواب فریب سے دیا جائے لیکن آپ اُس کتے کو ہڈی ڈال دیں۔ اپنا عصا ہلا دیں زمین وہ ساری پیداوار اُگل دے گی جو ٹِڈیوں نے کھائی ہے۔ عصا کے اثر سے ٹِڈیاں بھی مر جائیں گی اور یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ اللہ کو ہر چیز کے بدلنے کی قدرت حاصل ہے۔ اللہ کو اَسباب کی ضرورت نہیں۔ اَسباب تو ایک پردہ ہوتے ہیں۔ کام تو سارے ذاتِ خداوندی کرتی ہے دُنیادار اُسے اپنی کوشش اور محنت سمجھ لیتے ہیں۔

دُنیادار انسان نہ صبح کو عبادت کرتا ہے نہ منہ ہاتھ دھوتا ہے لیکن نفع کے لئے بازار کی طرف دوڑتا ہے۔ اپنے لقمے کی تلاش میں دوزخ کا لقمہ بنا ہوا ہے۔ یہ خود خوراک کو کھانے والا بھی ہے اور دوزخ کی خوراک بھی ہے۔ اس کی مثال اُس بکری کے بچّے کی ہے جو چرتا ہے تو قصائی خوش ہوتا ہے کہ یہ میرے لئے چر رہا ہے۔ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں خود کھا رہا ہوں حالانکہ وہ اپنے وجود کو دوزخ کے لئے پال رہا ہے۔ انسان کی اپنی اصل خوراک تو معارفِ الٰہی ہیں جن سے دل قوی ہوتا

پس بداں مشغول شو کاں بہتر ست
تو کسی اچھے خیال میں مشغول ہو تو بہتر ہے

تا ز تو چیزے بَرَد کاں کہتر ست
تاکہ چور تمہاری کسی گھٹیا چیز کو ہی چُرا سکے

ہے اور اُس کی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسمانی غذا رُوحانی غذا کے لئے مانع ہے۔ رُوح کو تاجر سمجھ اور جسم کو ڈاکو۔ تاجر کا مال ڈاکو اُڑا لیتا ہے۔ ڈاکو کے مرنے پر ہی تاجر پُر رونق بنتا ہے۔

انسان کی رُوح اُس کا ہوش اور جسمانی لذتیں اُس کے ہوش گم کرنے والی چیزیں ہیں، سمجھ لو کہ تمام شہوانی لذتیں شراب اور بھنگ کی سی خاصیتیں رکھتی ہیں۔ دُنیا میں صرف شراب اور بھنگ ہی کو بے ہوشی کا سبب نہ سمجھو بلکہ ہر شہوت انسان کے کان، ناک اور آنکھیں بند کر دیتی ہے۔ شیطان شراب نہیں پیتا تھا لیکن تکبر کے نشہ سے مدہوش تھا۔ مست تو اُس کو کہتے ہیں، جو معدُوم کو موجود سمجھ لے اور تانبے اور لوہے کو سونا سمجھ بیٹھے۔ شیطان نے ایک غیر واقعی بات کو واقعہ خیال کیا تو یقیناً وہ بدمست تھا۔ مستی کی حقیقت کا بیان ختم نہ ہونے والا ہے۔ اے موسیٰ! دُعا کر تا کہ گھاس وغیرہ اُگ آئے اور قحط کی صورت ختم ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جس کا اُن کو خدا نے حکم دیا تھا یعنی دُعا کر دی۔ فرعونی جو قحط سے مر رہے تھے لذیذ غذائیں کھانے لگے۔ اُن کے پیٹ بھرے تو وہ پھر سرکش ہو گئے۔ انسان کا نفس بھی فرعون ہے اُس کا پیٹ بھرا تو یہ پھر سرکش ہوا۔ نفس کی آہ وزاری سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہیے۔ بھوک میں یہ فرعون کی طرح خوشامد کرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال گدھے کی سی ہے اُس پر بوجھ لدا ہوا نہ ہو تو یہ دولتیاں مارتا ہے۔ جونہی پیٹ بھرے یہ اپنی خوشامد بھول جاتا ہے۔

نفس کے بھولنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ انسان سوتے ہی اپنی قیام گاہ کو بھلا دیتا ہے۔ خواب میں دوسرے شہروں کو یاد کرتا ہے اور اپنے کو بھول جاتا ہے۔ اگر رُوح اپنے اصل وطن کو بھول جائے تو اُس پر تعجب نہ کرو۔ اِس دُنیا کی زندگی ایک خواب ہے اور خواب اصلی وطن کو بھلا دیتا ہے۔ خواب میں یہ تجربہ بارہا ہوا ہے۔ اس ہی دُنیا کو قیاس کر لو۔ رُوح نے بہت سے مدارج اور مراتب طے کئے ہیں۔ چونکہ تم نے اپنے قلب کو مصفّٰی نہیں رکھا اس لئے یاد نہیں ہیں۔ اگر تم مجاہدات کے ذریعے اسے مصفّٰی کر لیتے تو وہ رُوح کے پُرانے واقعات تمہیں دکھا دیتا۔ جب دل صاف ہوتا ہے تو پوشیدہ راز کے سمندر میں غوطہ لگا لیتا ہے اور آغاز و انجام کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ رُوح نے جو مختلف مقامات پر سکونت کی ہے اب اُن کا بیان سن۔

ابتدائے پیدائش سے آدمی کے مراتب و حالات کا بیان

رُوح پہلے جمادات کے خطے میں رہی پھر ترقی کر کے نباتات کے خطے میں آئی۔ عرصہ دراز تک رُوح خطہ نباتی میں رہی لیکن وہاں اُسے اپنی جمادی حالت کبھی یاد نہیں آئی۔ اُس کے بعد یہ نباتاتی خطے

فکرِ ما تیرے ست از ہُو در ہوا
ہمارا خیال ایک تیر ہے جو اللہ کی جانب ہوا میں ہے

در ہوا کے پاید آید تا خدا
ہوا میں کب تک ٹھہرے آخر خدا کی طرف لوٹتا ہے

سے حیوانی خطے میں آئی تو اُسے اپنی نباتاتی زندگی یاد نہ رہی۔ ہاں اس قدر تو ہے کہ رُوح موسمِ بہار میں پودوں کے پھولنے کے وقت یہ اُس کی طرف میلان کرتی ہے۔ یہ اُس کی نباتاتی زندگی کی یاد ہی کا اثر ہے۔ بچہ اپنی ماں کے دودھ کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اُس کے پیٹ میں رہ چکا ہے۔ نئے مرید کو شیخ کی طرف میلان ہوتا ہے لیکن وہ اس میلان کا سبب نہیں سمجھتا۔ وجہ یہ ہے کہ مرید کی عقل شیخ کی عقل کا جزو ہے۔ یہ سایہ ہے اور شیخ، شاخِ گل۔ ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ مرید فنافی الشیخ کا مقام حاصل کرے گا تو اپنے میلان کی وجہ سمجھے گا کیونکہ فرع اصل کی طرف مائل ہوا کرتی ہے۔ اگر درخت کی شاخ حرکت نہ کرے تو سایہ حرکت نہیں کرتا۔ پھر اللہ اپنے کرم سے رُوحِ حیوانی کو انسانیت کے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔

غرض کہ رُوح، اقلیم تا اقلیم سفر کرتی ہوئی اس حالت میں پہنچی کہ وہ صاحبِ عقل ہوگئی ہے۔ رُوح اپنی گزشتہ عقلوں سے غافل ہے۔ پھر اُس کی اس موجودہ عقل سے بھی تبدیلی ہوگی۔ رُوح کو اس دنیاوی حریص عقل کو بھی خیر باد کہنا ہے۔ تب اُس کو لاکھوں عجیب عقلیں حاصل ہو جائیں گی۔ اگرچہ انسان اپنی خواب کی حالت میں اپنے گزشتہ واقعات بھول جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب کے واقعات کی ہنسی اُڑاتا ہے۔ بیدار ہو کر اُسے تعجب ہوتا ہے کہ میں صحیح واقعات کو کیسے بھول گیا تھا۔ دنیادار جو دُنیا کی زندگی کے خواب میں ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہی دراصل زندگی ہے۔ جب موت آتی ہے تو اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ موت کے وقت جب وہ بیدار ہوتا ہے تو دُنیا کے غموں اور تکلیفوں پر ہنستا ہے۔ دُنیا کی زندگی میں جو بُرائی یا اچھائی کی ہوگی وہ قیامت میں سامنے آجائے گی۔ انسان کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ اِس دنیاوی زندگی کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔

یہ زندگی جو کہ دراصل خواب ہے اِس کی تعبیر قیامت میں ہر شخص کے سامنے آجائے گی۔ دُنیا میں ظالموں کے ہنسنے کی تعبیر آخرت میں رونا اور چیخنا ہوگا۔ اگر دُنیا میں گریہ زاری کی ہوگی تو آخرت میں اُس کی تعبیر خوشی ہوگی۔ خواب کی تعبیر عموماً اُلٹی ہوتی ہے۔ جو کوئی یوسف علیہ السلام جیسے لوگوں کو دُنیا میں ستائے گا۔ آخرت میں بھیڑیا بن کر اُٹھے گا۔ انسان کی بُری عادتیں آخرت میں بھیڑیے بنیں گی اور خود اُس کے اپنے اعضاء کو پھاڑیں گی۔ اگر کسی انسان کا اُس نے ناحق خون بہایا ہوگا تو وہ خون سوئے گا نہیں بلکہ قیامت میں بدلے کا خواہاں ہوگا۔ اگر دُنیا میں بدلہ لے بھی لیا ہوگا تو آخرت کے عذاب سے پھر بھی نجات نہ ملے گی بلکہ دُنیا کا بدلہ اُس کے مقابلے میں کھیل سمجھا جائے گا۔ قرآن میں دُنیا کی زندگی کو کھیل کود کہا گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں کا انتقام آخرت کے انتقام کے مقابلے میں کھیل کود ہے۔ دُنیا میں جو

ہر زماں دِل را دگر میلے دہم
میں ہر وقت ایک نئی خواہش دل میں جمالیتا ہوں

ہر نفس بر دِل دگر داغے نہم
اور ہر سانس سے دل پر ایک داغ لگ جاتا ہے

بدلہ لیا گیا وہ محض وقتی فتنہ فساد کو ختم کرنے کے لئے لیا گیا ہے۔ اِس دُنیا کے بدلے کی مثال ختنہ کرنا اور آخرت کے بدلے کی مثال خصّی کرنا سمجھو۔ فرعونیوں نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا ہے۔ یہ جہنم کے بھیڑیوں کی خوراک بننے والے ہیں۔ وہ بھیڑیے بھوک سے غصّے میں ہیں۔ اُن کو خوب موٹا ہونے دو تا کہ اُن کو اچھی خوراک ملے۔

دوزخ کی مخلوق بھوکی و نالاں ہے اور چاہتی ہے کہ اللہ اُن کی خوراک کو موٹا بنا دے

میرے علم میں ہے کہ وہ بھیڑیے بھوک سے فریاد کر رہے ہیں۔ مجھے اِن کو اُن کی خوراک بنانا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی خوش کلامی کی کیمیا سے اُن کو آدمی بنانا چاہا لیکن اُن کے مقدر میں آدمی بننا نہ تھا۔ اُن پر نعمتوں کا لحاف اُڑھا دو تا کہ وہ غفلت کی نیند سو جائیں اور جب اُس سے بیدار ہوں گے تو مجلس ختم ہو چکی ہو گی۔ نہ شمع ہو گی اور نہ ساقی یعنی تم سے اور تمہاری ہدایت سے فائدہ اُٹھانے کا وقت نہ رہے گا۔ اُن کی سرکشی تمہارے لئے حیران کُن تھی۔ اب وہ حسرت کا مزہ چکھیں گے۔ ہمارے انصاف کا تقاضا ہو گا کہ ہم اُن کو اُن کے بُرے اعمال کی بُری سزا دیں۔ ہم اُن کے ساتھ ساتھ تھے لیکن وہ ہمیں دیکھتے نہیں تھے۔

اے انسان! اللہ کی طرح اور بھی چیزیں ہیں جن کو انسان نہیں دیکھ پاتا لیکن وہ اُس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ انسان اپنی عقل کو نہیں دیکھ سکتا حالانکہ وہ اُس کے ساتھ ہے۔ تُو عقل کو دیکھنے سے قاصر ہے مگر تیری عقل تجھے دیکھنے سے قاصر نہیں ہے۔ جب نظر نہ آنے والی عقل تیرے ساتھ ہے تو اگر اسی طرح اُس کا خالق خدا تیرے ساتھ ہو تو اُس میں کیا تعجب کی بات ہے۔ انسان غلطی کرتے وقت عقل سے غافل ہو جاتا ہے، پھر عقل اُسے ملامت کرتی ہے۔ عقل کا ملامت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تجھ سے اور تیرے کام سے غافل نہ تھی۔ اِس غلط کام کے کرنے کا فعل اِس امر کی دلیل ہے کہ وہ کام کرتے وقت تُو عقل سے بے گانہ تھا۔ تیری عقل حضرتِ حق تعالیٰ کے قرب کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ مثال سے سمجھ لے۔

اُصطرلاب وہ آلہ ہے جس سے نجومی چاند، سورج اور ستاروں وغیرہ کے فاصلے معلوم کرتے ہیں۔ یہ تیری عقل کی طرح ہے۔ تیری عقل کا تجھ سے قرب بے کیف ہے۔ یہ شش جہات کا پابند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی جس کی ذات خود کم وکیف سے بالاتر ہے اُس کا قرب بھی اُن کیفیتوں سے بالاتر ہے۔ جاگتے ہوئے اگر تُو اپنی انگلی کو حرکت دے گا تو انگلی اور اُس کی حرکت میں جو قرب ہے وہ بے کم و کیف ہے۔ انسان کے سوتے میں اُس کی انگلی کو حرکت نہیں ہوتی لیکن

تا چہ باشد حالِ اُو روزِ شمار	ہست زاہد را غمِ پایانِ کار
کہ قیامت کو اُس کا کیا ہو گا؟	زاہد کو اپنے انجام کا فکر ہوتا ہے

بیداری کے بعد فوراً حرکت آجاتی ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ انگلی میں یہ حرکت کون سی طرف سے آئی ہے۔ آنکھوں کی روشنی کی آمد بھی جہات سے منزہ ہے۔ وہ عالَم جو مادی اور زمانی ہے صرف وہی جانب اور جہت سے مُتّصِف ہے۔

عالَمِ اَمر وہ عالَم ہے جس کی پیدائش لفظ کُن کہنے سے ہوئی ہے اور وہ مادی یا زمانی نہیں ہے۔ جب عالَمِ اَمر مادہ اور جہت سے منزہ ہے تو حق تعالیٰ جس نے کلمہ کُن فرمایا ہے بدرجہ اولیٰ جہت اور مادہ سے مبرّا ہے۔ عقل بھی بے جہت چیز ہے تو اللہ تعالیٰ جو عقل کی بھی عقل اور جان کی بھی جان ہے کیوں جہت سے پاک نہ ہوگا۔ مخلوق کا خالق سے جو تعلق ہے وہ بھی کیفیت سے بالاتر ہے۔ رُوح مادہ سے پاک ہے لہٰذا اُس میں نہ فصل کی صفت ہے نہ وصل کی لیکن وہ شخص جو نفسانی بیماریوں میں مبتلا ہے وہ پتہ نہیں لگا سکتا۔ اگر انسان مسلسل یہ سوچے گا کہ مجھے ذاتِ خداوندی سے دُوری ہے تو مردانگی کی رگ اُس کو وصل کی طرف لے جائے گی۔ جو عقل محض اِتصال اور انفصال کے تعلق ہی کو سمجھ سکتی ہے وہ اللہ سے مخلوق کے تعلق کا پتہ نہیں بتا سکتی۔ اِسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور کرو اللہ کی ذات میں غور نہ کرو" چونکہ ذات کا تصور ناممکن ہے۔ لہٰذا اُس میں تفکر بھی ناممکن ہے۔ ذات میں غور کرنا' ذات میں غور کرنا نہیں ہے بلکہ محض ایک مفروضے پر غور کرنا ہے کیونکہ ذاتِ باری اور مخلوق میں کروڑوں پردے ہیں۔ ذات میں غور کرنے والا اُن میں سے کسی پردے سے وابستہ ہو گیا ہے اور اُسی کو اللہ کی ذات کا عین سمجھ رہا ہے۔ ذاتِ خدا میں مشغولیت نہ ہو اور انسان وہم میں مبتلا ہو تو یہ خدا کے ساتھ بے ادبی ہے جس کی سزا سرنگونی ہے۔ اندھے پن کا یہی مطلب ہے کہ انسان نیچے گر رہا ہو اور سمجھے کہ میں اُوپر چڑھ رہا ہوں۔ مست کی یہی تعریف ہے کہ وہ اُوپر اور نیچے میں تمیز نہیں کر سکتا یعنی زمین اور آسمان میں فرق محسوس نہیں کر سکتا۔ راہِ مستقیم یہ ہے کہ خدا کی عجیب صنائی میں غور کرنا چاہیے اور اُس کی عظمت اور ہیبت میں گم ہو جانا چاہیے۔ جب اللہ کی کاریگری میں غور کرو گے تو تم پر اپنی حقیقت کھل جائے گی اور خاموشی اختیار کر لو گے۔

حضرت ذُوالقرنین کا کوہِ قاف سے اللہ کی عظمت کے بارے میں دریافت کرنا

ذُوالقرنین بادشاہ کوہ قاف کی طرف گئے۔

ذُوالقرنین نے اُس سے پوچھا: اے عظیم پہاڑ! دوسرے پہاڑوں کی تیرے سامنے کیا حیثیت ہے۔ کوہ قاف بولا: دوسرے پہاڑ میری رگیں ہیں اور جڑیں ہیں اور ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ نازل فرمانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دے دیتا ہے' میں اپنی رگ ہلا دیتا ہوں اور زلزلہ آجاتا ہے۔ رکنے کا حکم دیتا ہے تو میں رگ کو ساکن کر دیتا ہوں۔ اللہ کے احکام میں میری تگ و دو جاری ہے۔ کم عقل لوگ ہمیشہ کسی واقعے کے سبب کو دھیان میں

عارفاں ز آغاز گشتہ ہوش مند
عارف لوگ پہلے ہی سے ہوشیار ہوتے ہیں

از غم و احوالِ آخر فارغ اند
اور اپنے حال کے غم سے فارغ ہو چکے ہیں

رکھتے ہیں لیکن عقل مند کی نظر مُسبّبُ الاسباب پر ہوتی ہے۔

ایک چیونٹی کا دُوسری عقلمند چیونٹی سے مکالمہ اور اِسی طرح خیال کی ترقی کا بیان

ایک چھوٹی سی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو لکھتے دیکھا اور دوسری چیونٹی سے کہا: دیکھو قلم نے کیا نقش و نگار بنائے ہیں۔ دوسری بولی: یہ قلم کا کام نہیں ہے وہ تو فرع ہے اصل کام اُنگلی کا ہے۔ تیسری چیونٹی نے کہا کہ اُنگلی کی طاقت نہیں کہ ایسے نقش بنائے یہ سب بازو کی طاقت کا کام ہے۔ اُن کی سردار بولی: یہ ہُنر جسم کا نہیں ہے وہ تو نیند اور موت پر بے خبر ہو جاتا ہے۔ جسم تو عقل کے ہاتھ میں لاٹھی کی طرح ہے۔ وہ بے خبر تھی کہ عقل و دل خدا کے حرکت دیئے بغیر کچھ کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ اگر وہ مہربانی نہ کرے تو ذہین عقل بے وقوفیاں کرنے لگتی ہے۔

حضرت ذُوالقرنین کا پہاڑ سے دوبارہ سوال اور اُس کا اللہ کے عجائب کے بارے میں بیان

اے کوہ قاف! تُو اللہ تعالیٰ کی صفات سے واقف ہے مجھے اُس کی صفات کا بیان سُنا۔ پہاڑ بولا: اُس کا بیان کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُس کے اَوصاف بیان سے بالاتر ہیں۔ قلم میں بھی طاقت نہیں ہے کہ انہیں تحریر کر سکے۔ کوہ قاف نے پھر بیان شروع کر دیا۔ اُس نے کہا کہ یہ جنگل اتنا وسیع ہے کہ تین سو سال کی مسافت کا ہے۔ اس کو خدا نے برف سے پُر کیا ہے اور اُس پر برف کی تہیں جمتی رہتی ہیں اور اب برف کے پہاڑ بن گئے ہیں۔ اگر اس برف کی ٹھنڈک نہ ہوتی تو دوزخ کی آگ کی گرمی مجھے پھونک دیتی۔ اگر غافلوں کی غفلت کا اثر اُن پر نہ پڑتا تو عارفوں کے دل کا شوق اُن کو جلا ڈالتا۔ غافلوں کی غفلت کا اثر عارفوں پر اور اُن کے دل پر وہی اثر کرتا ہے جو برف کے پہاڑ کوہ قاف پر کرتے ہیں۔ دوزخ کی آتش کی تاثیر جس کا بیان ہوا ہے یہ اللہ کے قہر و غضب کا ذرّہ ہے۔ اُس قہر کی حالت کے باوجود اللہ کے کرم کی ٹھنڈک اس سے بڑھی ہوئی ہے۔ رحمت کی غضب پر یہ سبقت حسی سبقت نہیں ہے بلکہ معنوی سبقت ہے۔ رحمت اور غضب دونوں اللہ کی صفتِ اِرادہ کی صورتیں ہیں اور اِرادہ عین ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا یہاں سابق اور مَسبُوق ہونا ایک ہی چیز کی صفت ہے۔ ایک ہی چیز سابق بھی ہو اور مَسبُوق بھی۔ اگر یہ تیری سمجھ میں نہیں آیا تو یہ تیری عقل کا نقصان ہے اور انسانوں کو عقل کا تھوڑا سا حصہ ملا ہے۔ جو دُنیا کی آلائشوں میں ہے اُس کی پرواز اعلیٰ علوم کی طرف نہیں ہوتی۔ پرندے کی پرواز صرف فضاؤں میں ہے۔ اِسی طرح ناقص عقل کا حال ہے۔ رحمت اور غضب کے سابق اور

نیست آلت حاجت اندر راہِ رب	گرچہ آلت نیستت تو می طلب
رب کی راہ میں وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی	اگرچہ وسائل نہ ہوں تُو طلب میں لگا رہ

مسبوق ہونے کو اگر تو نہیں سمجھ سکا تو اُس کا اقرار یا انکار نہ کر بلکہ اپنے عجز کا اظہار کر۔ رحمتِ خداوندی دست گیری کرے گی۔ اگر بے سمجھے بُوجھے کا اقرار کرے گا تو یہ تکلّف ہے جو جائز نہیں۔ اگر انکار کرے گا تو تجھ پر قہرِ خداوندی نازل ہوگا۔ تو حیرانی اور عجز اختیار کر، اللہ کی مدد آ جائے گی۔ حیرانی اور عاجزی کی حالت میں تُو ضرور کہے گا کہ اے اللہ! مجھے ہدایت فرما دے۔ حقائق کا سمجھ میں آنا آسان نہیں ہوتا لیکن انسان جب عاجزی کرتا ہے تو اللہ ضرور رحمت فرما دیتا ہے اور حقائق سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ کسی حقیقت کی بُری صورت منکر کے لیے ہوتی ہے۔ جب انسان عجز اختیار کرتا ہے تو وہی بُری صورت بھلی بن جاتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جبرائیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اصلی صورت میں ظاہر کرنا

آنحضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ مجھے اپنی اصل صورت دکھاؤ۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حسِ انسان کمزور ہوتی ہے اس لئے آپ ﷺ اس کی تاب نہ لا سکیں گے اور آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی اصل صورت دکھا دو تاکہ میرے جسم کو اپنی حواس کی کمزوری معلوم ہو جائے۔ ہاں انسان کے جسمانی حواس یقیناً کمزور ہوتے ہیں لیکن رُوحِ انسانی نہایت طاقتور اور بڑی مخلوق ہے۔ انسان کے جسم کی مثال لوہے اور پتھر کی سی ہے لیکن اُس کی صفت چقماق کی سی ہے جس میں آگ جیسی قوی مخلوق پوشیدہ ہوتی ہے۔ قوی کا ضعیف سے پیدا ہونا مستبعد نہیں ہے۔ انسان کا بدن چقماق کے ذریعے آگ پیدا کرتا ہے اور وہی آگ انسان کے بدن کو پھونک ڈالتی ہے۔ جسمِ انسان میں ایک وہ ایسی آگ بھی پوشیدہ ہے جو جوش سے اُس آگ کے کُرے پر غالب آ جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے اپنی اُمت کو اگرچہ پہلے لوگوں کی پیداوار بتایا اَلْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ لیکن چونکہ یہ پیداوار اصل سے بڑھی ہوئی ہے۔ اِس لئے اُس کو اُن سے سابق بتایا۔ پتھر اور لوہا ہتھوڑے سے عاجز ہیں لیکن اُن سے جو آگ پیدا ہوتی ہے وہ اَن گنت ہتھوڑوں کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ انسان اگرچہ اِس دُنیا اور جہان کی پیداوار ہے لیکن اصل میں بڑھا ہوا ہے۔ انسان کا ظاہری جسم مچھر سے عاجز آ جاتا ہے لیکن اُس کی رُوح ساتوں آسمانوں کو گھیر لیتی ہے۔

آنحضور ﷺ کے اِصرار پر جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں نمایاں ہو گئے اور اُن کے ایک پَر نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا تو مصطفیٰ ﷺ خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُن کو اپنی بغل میں لیا اور عرض کی کہ خوف اور ہیبت تو منکروں کے لئے ہوتی ہے دوستوں کے لئے تو محبت ہی ہوتی ہے۔ بادشاہ کا رعب و دبدبہ عوام اور خواص سب

گر یکے مورے سلیمانے بجست اگر ایک چیونٹی بھی سلیمانؑ کی جستجو کرے	منگر اندر جُستنِ او سُست سُست اُس کی اِس جستجو کو حقارت سے نہ دیکھ

کے لئے ہوتا ہے تاکہ عوام تکبر نہ کریں اور شر نہ پھیلے۔ شاہ کی پکڑ دھکڑ ہی کی وجہ سے شہر پُر امن رہتے ہیں لیکن جب بادشاہ اپنی خاص محفل میں ہوتا ہے تو وہاں نہ خوف ہوتا ہے نہ بدلے میں قتل کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں بُردباری ہی بُردباری ہوتی ہے۔ وہاں عیش و عشرت کی محفلوں میں چنگ و رباب ہوتا ہے۔ محاسبہ کی کچہری عوام کے لئے اور خاص محفل میں حسینوں کے ہاتھ میں جام ہوتا ہے۔ اے سخی! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کی راست روی کو خوب جانتا ہے۔

احمد ﷺ کے اندر کی وہ حس جو چھپ جانے والی ہے اس وقت مدینہ کی مٹی کے نیچے سو رہی ہے لیکن وہ بڑی مخلوق (حضور ﷺ کی رُوحِ مُبارک) جو صف شکن ہے اللہ تعالیٰ کی خاص مجلس میں ہے۔ تغیر تو جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں باقی رہنے والی رُوح تو ہمیشہ روشن سورج کی طرح ہے۔ رُوح کے لئے تغیر نہیں ہے۔ وہ نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ اُس کا تعلق تو عالم اَمر سے ہے۔ اِس بے ہوشی کا تعلق اُن ﷺ کے جسم سے تھا۔ بیماری اور درد و رنج کا تعلق بھی جسم سے ہے۔ رُوح کے اَوصاف بیان سے باہر ہیں۔ اگر بیان کئے جائیں تو کوئی سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا ہے"۔ اُن کی رُوحِ مُبارک سوئی ہوئی نہ تھی بلکہ اُس پر جسم کی حفاظت کے لیے ایک غیر اختیاری تغافل طاری ہوا۔ آنحضور ﷺ کے بے ہوش ہو جانے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ اگر وہ کبھی اپنے رُوحانی پَروں کو پھیلا دیں تو جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ کے لئے بے ہوش ہو جائیں۔ معراج میں جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کا ساتھ نہ دے سکے اور کہا کہ آگے میرے پَر جل جائیں گے۔ حضور ﷺ کی سیر آگے تک ہوئی۔ حیرت ہے جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے ساتھ جانے سے پَر جل جانے کا عذر کیوں کیا؟ جبرائیل علیہ السلام کو اُن کے ساتھ جانا چاہیے تھا خواہ اُن کے پَر جل جاتے یا جان چلی جاتی۔ یہ ناسُوتی موت تو ایک کھیل ہے۔

اے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! عوام کی عقلیں اُلٹی ہیں۔ ہماری یہ سب باتیں اُن کو اُلٹی نظر آتی ہیں کیونکہ یہ لوگ ناسُوتی ہیں۔ آپ اِن میں عارضی طور پر ہیں' اِن کی عقل کے مطابق باتیں کرتے رہیں۔ آپ کا وطن تو عالمِ آخرت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ وہ فرعونیوں سے نرم باتیں کریں۔ مخالفوں سے سخت بات کرنے میں بات بگڑ جاتی ہے۔ نرمی سے بات کیجئے لیکن صحیح بات کیجئے' اُن کا دل رکھنے کو غلط بیانی نہ کریں۔ آپ رُوحانی نصیحت کریں جس میں لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثنوی کے مضامین اور علوم جو انگورستان کی مثل ہیں اس میں وہ باتیں نہ کریں جو عوام کے لئے حجاب بن جائیں۔ جب یہ لوگ دُنیا کی آلائشوں سے پاک ہو جائیں گے تب یہ مثنوی اُن کے لئے مُفید ہوگی۔ مثنوی میں اگرچہ الفاظ میرے ہیں لیکن معانی تمہارے عطا کردہ ہیں۔ یہ بھی میری غلطی ہے بلکہ الفاظ اور معنیٰ دونوں

ہر چہ داری تو ز مال و پیشہ	نے طلب بود اوّل و اندیشہ
جو مال و طاقت اب تُو رکھتا ہے	کیا تُو نے ابتدا میں اُس کی طلب اور فکر نہیں کی

تمہارے عطا کردہ ہیں۔ آپ عند اللہ محمود ہیں۔ خدا کرے کہ دُنیا میں بھی آپ محمود رہیں اور لوگ آپ کے قائل ہو کر آپ سے مستفید ہوں اور یہ ناسُوتی لوگ آپ جیسے ملکوتی سے گھل مل جائیں۔ جب یہ لوگ رُوحانی بن جائیں گے تو سب دوئی ختم ہو جائے گی۔

دنیا میں اتحاد اور تفرقہ کا سبب رُوحوں کا اِتحاد اور تنافر ہے۔ جب رُوحوں میں اتحاد ہوتا ہے تو دُنیا میں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح لوگ شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی پہچان کے بعد اُن میں اجنبیت آ جاتی ہے تو وہ پردہ اور حجاب بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے منکروں کی رُوحوں نے آنحضور ﷺ کو نہ پہچانا۔ سورۃ لَمۡ یَکُنۡ پڑھ لے۔ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ وہ اوّلاً پہچانتے تھے بعد میں منکر ہو گئے۔ آنحضور ﷺ کی پیدائش سے قبل حضور ﷺ کی تعریف ہر یہودی و نصرانی کا تعویذ بنی ہوئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ایک نبی آئے گا۔ حضور ﷺ کے تصور سے اُن کے دل تڑپتے تھے۔ اللہ سے حضور ﷺ کی بعثت کی دُعائیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا تصور ہر وقت اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اُنہوں نے اُن ﷺ کی خیالی تصویر بنا رکھی تھی۔ ایک دیوار کی دو رُخی اُس کا عیب ہے۔ اگر حضور ﷺ کی صحیح تصویر دیوار پر پڑ جائے تو وہ بھی اپنے بے رُخی چھوڑ دے۔

قرآن پاک میں ہے کہ ''جب وہ چیز اُن کے پاس آئی جس کو وہ جان چکے ہیں تو اُس کا کفر کرنے لگے''۔ وہ کافر کھوٹا سکہ تھے۔ جب اُن پر ایمان کی گرمی پڑی وہ اور کالے ہو گئے۔ کھوٹوں اور مُنافقوں کے دل میں اہل اللہ کی محبت نہیں ہوتی۔ کھوٹا کسوٹی کے شوق کی شیخی مارتا ہے تاکہ دوسروں کو شک میں مبتلا کر دے اور وہ سمجھیں کہ اگر یہ کھرا نہ ہوتا تو کسوٹی کا شوق کیوں ظاہر کرتا لیکن ایسے شکوک میں نا اہل مبتلا ہوتے ہیں۔ اُن نا اہلوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کھوٹا کسوٹی چاہتا ہے لیکن جھوٹی کسوٹی چاہتا ہے جس سے اُس کا عیب نہ ظاہر ہو سکے۔ یہ کلام تو اس قدر دراز ہے کہ قیامت تک بھی ختم نہ ہو گا' اس لئے اسے ختم کر دینا چاہیے۔ اتنی بات اور سُن لو کہ جو کسوٹی عیب کو چُھپائے وہ نہ کسوٹی ہے اور نہ اُس میں پہچاننے کا نور ہے۔ جو آئینہ چہرہ کا عیب چُھپائے وہ آئینہ نہیں ہے وہ مُنافق ہے' ایسے آئینے کی ہرگز جستجو نہ کرو۔ وہ آئینہ تلاش کر جو چہرہ صحیح دکھا دے۔ ایسا آئینہ تیرا شیخ ہے۔ اُس کے ذریعے تجھے خدا خود ایسا آئینہ بنا دے گا کہ اُس میں عرش آسمان کی طرح نظر آنے لگے گا۔ عرش اور آسمان تو کیا اُس آئینے میں تجھے خدا کی تجلیات نظر آنے لگیں گی' سمجھ لے!

دفترِ چہارم ختم شُد

ہر کہ چیزے جُست بیشک یافت اُو　　چوں بجد اندر طلب بشتافت اُو

جس نے جس چیز کی طرف جدّ و جہد کی　　محنت سے وہ چیز ضرور مل جاتی ہے

انوار العلوم

ہر چہ پیدا کرد بہرِ معنی ست — باطنش بنگر بریں ظاہر مایست
اُس نے جو کچھ پیدا کیا ہے حکمت سے پیدا کیا ہے — اُس کے باطن کو دیکھ، ظاہر پر نہ ٹھہر جا

•

فرق آنگہ باشد از حق و مجاز — کہ کند کحل عنایت چشم باز
حقیقت اور مجاز کا فرق تجھے تب معلوم ہوگا — جب اللہ کی مہربانی کا سُرمہ تیری آنکھیں کھولے

•

ورنہ پُشک و مُشک پیشِ اُخشمے — ہر دو یکسانست چوں نبود شمے
ورنہ مینگنی اور مُشک بیکار ناک والے کے لئے — برابر ہیں، اگر تُو سونگھنے کی طاقت نہیں رکھتا

•

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید — از غضب وز حلم وز نصح و مکید
جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے فضول نہیں ہے — غُصّہ، بُردباری، خلُوص اور مکر

•

خیرِ مُطلق نیست زینہا ہیچ چیز — شرِ مُطلق نیست زینہا ہیچ نیز
اِن میں کوئی چیز مطلقاً خیر نہیں ہے — اور اِن میں سے کوئی چیز مطلقاً شر بھی نہیں

•

جانور فربہ شود لیک از علف — آدمی فربہ ز عزت و شرف
جانور چارے سے موٹا ہوتا ہے — لیکن آدمی دُنیاوی عزت و شرف سے موٹا ہوتا ہے

بر زباں تسبیح و دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر
زبان پر اللہ اللہ اور دل میں بیل یا گدھا تو — تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا